ہر لفظ ہی اک فن پارہ ہے اربابِ ادب کی نظروں میں
لاریب کہ سچا موتی ہے ہر شعر حدیثِ عنبر کا

حدیثِ عنبر

مجموعۂ کلام

مولانا فضیل احمد عنبر ناصری

ہر لفظ ہی اک فن پارہ ہے اربابِ ادب کی نظروں میں
لاریب کہ سچا موتی ہے ہر شعر حدیث عنبرؔ کا

حدیثِ عنبرؔ

مولانا فضیل احمد عنبرؔ ناصری

(ابن حضرت مولانا جمیل احمد ناصری مدظلہٗ)

دائرۃ الادب، دیوبند

رابطہ : 08881347125

تفصیلات

نام کتاب	:	حدیث عنبر (مجموعۂ کلام)
مصنف	:	فضیل احمد عنبرؔ ناصری القاسمی
وطنِ اقامت	:	جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند
	:	موبائل:08881347125
وطنِ اصلی	:	بلہا، (ایسٹ) پوسٹ کمتول، ضلع مدھوبنی (بہار)
صفحات	:	۲۵۶
سن اشاعت	:	جنوری ۲۰۱۴ء
قیمت	:	۲۲۵/-
باہتمام	:	حافظ فیاض احمد ناصری
ناشر	:	دائرۃ الادب، دیوبند

نوٹ :
دیوبند اور دہلی کے سبھی چھوٹے بڑے کتب خانوں پر دستیاب

شعری تصویر

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل
ہر کہ میلِ دید دارد در سخن بیند مرا
(مخفی)

ترجمانی

میں یوں مخفی ہوں جیسے بوئے گل ہو پیکرِ گل میں
مرے جویا مری تحریر پُر افکار میں دیکھیں
فقط زورِ تخیل ہی نہیں یہ آئنے بھی ہیں
مری صورت مرے لکھے ہوئے اشعار میں دیکھیں

عنبر ناصری

انتساب

والدہ مرحومہ کے نام
جن کی لوریوں میں آیتِ کریمہ اور مسنون دعاؤں سمیت دینی و اسلامی اشعار بھی شامل تھے جو ہم بچوں کی تسکین وراحت کے لئے گنگنائے جاتے تھے۔

والد ماجد حضرت مولانا جمیل احمد ناصری مدظلہٗ کے نام
جن کے شعری ذوق، ادبی دلچسپی اور موزوں طبعی نے خاکسار کے نفس نفس میں شعر وسخن کی تخم ریزی کی، جس کا ثمر حدیثِ عنبر کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے، اردو کے اہم شعراء غالبؔ، میرؔ، الطاف حسین حالیؔ اور اکبر الہ آبادی کے نام اولاً ان ہی کی زبان سے سننے کو ملے۔

اہلیہ محترمہ کے نام
جو خاکسار کے اشعار گنگنا کر یہ سمجھتی ہیں کہ کامرانیاں ان کے زیرِ نگیں ہیں۔

حفظها الله و رعاها

نظم بخطِّ شاعر

مومن میں اہلِ کفر سی پیدا امنگ ہے | کعبہ سے بھی حسین جمالِ فرنگ ہے
لب پر ہے یوں تو مذہبِ اسلام کا ہی نام | تن پر مگر یہود و نصاریٰ کا رنگ ہے
اعدائے حق سے روز رہ و رسم کا فروغ | اپنے ہی بھائیوں سے لگاتار جنگ ہے
یورپ کی پیروی تو ہی ضامنِ فلاح | راہِ رسول ان کے لئے وجہِ ننگ ہے
محسن سے آشنائی کا ملتا نہیں نشاں | عشقِ عدو میں غرق مگر انگ انگ ہے
عیشِ جہاں کی چاہ نے بزدل بنا دیا | اب رعبِ شیر اور نہ زورِ پلنگ ہے
آوارگی سے قوم مسلماں کا یہ حال | گویا فضا میں ڈور سے عاری پتنگ ہے
ریشم سے نرم تر جسے ہونا ضرور تھا | صد حیف آج اس کی طبیعت ہی سنگ ہے
ملتا کہیں نہیں ہے مجھے انسانیت کا نام | خود غرضیوں سے سینۂ آدم ہی تنگ ہے
کافر کے حوصلوں سے ہے منزل قدم قدم | مومن کے پاس رونے کو اتنگِ نہنگ ہے
وہ قوم جس پہ فرض ستاروں کا کام تھا | وہ غرق زن، نشانۂ طاؤس و چنگ ہے
یارب ہماری قوم کو شوقِ جہاد دے | اب تک دلوں میں دہشتِ تیغ و تفنگ ہے

ہر ایک در پہ ہے ترا دستِ طلب دراز
عنبر بتاؤ یہ کوئی جینے کا ڈھنگ ہے

عنبر ناصری

زلفِ معنبر

حفید الانور، جانشین فخر المحدثین
حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہٗ
شیخ الحدیث ومعتمد جامعہ امام محمد انور شاہ، دیو بند

مولانا فضیل احمد ناصری استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور کے مجموعہ کلام ''حدیثِ عنبر'' کا مسودہ پیش نظر ہے، جوں جوں پڑھتا گیا خود کو حیرانیوں کے دشتِ بے کراں میں پایا کہ قسّامِ ازل نے انہیں گونا گوں صلاحیتوں سے نوازا ہے، کچھ کا اظہار پہلے ہو چکا، شاعری کا میدان باقی تھا سو اس میں بھی صبا رفتار ہیں۔ میرا اوّل تاثر یہ ہے کہ وہ اس میدان میں بھی عاجز نہیں قابو یافتہ ہیں۔ حمد ونعت، غزل، نظم اور مرثیے میں بھی انہوں نے اپنی فکر رسا اور تخیل پروازی کے جوہر دکھائے ہیں۔ شاعری میں جن چیزوں کی بنیادی طور پر ضرورت ہوتی ہے وہ سب انہیں حاصل ہیں اور ان کے محاسن وخوبیوں کے ساتھ برجستہ، برملا اور برمحل استعمال سے وہ بخوبی آگاہ ہیں۔ وہ اتنی اچھی شاعری کرتے ہوں گے اس کا نہ کبھی خیال گزرا اور نہ کبھی ذہن میں یہ بات آئی۔ ہمارے اکابر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ وغیرہ بھی شاعری کا ذوق رکھتے تھے اور اس کی تکمیل حضرت مولانا اعزاز علی اور ناطق گلاؤٹھی کے یہاں ہوئی۔ غزلوں اور نظموں پر تو تبصرہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جو اس دریا کے شناور ہیں۔ البتہ میں نے بڑی دلچسپی، غور، توجہ اور عقیدت کے ساتھ ان کی حمد اور نعت کا مطالعہ کیا۔ ذات رب العالمین کو جو چیزیں زیب دیتی ہیں اور جو اس کی صفات کاملہ ہیں ان سب کو ایک بندہ اور اس کی بارگاہ کا ایک فقیر و بے نوا انسان جس درد اور دل سوزی کے ساتھ اپنا

مدعا بیان کرسکتا ہے وہ انہوں نے کیا ہے اوران حدود سے باہر قدم نہیں نکالا جو ایک بندہ کے لئے لازمی اور ضروری ہیں۔ دوسرا حصہ نعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

اہل نظر اور اہل علم واقف ہیں کہ نعت گوئی سب سے مشکل اور دشوار گزار مرحلہ ہے۔ یہاں پہنچ کر شمع نبوت کے پروانوں کے پر جلتے اور ان کی فکر ان حقائق تک انہیں پہنچاتی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ نعت کہنا آسان نہیں بہت مشکل ہے، یہ پل صراط پر چلنے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ نعت گو اگر اس حقیقت کو فراموش کرتا ہے کہ وہ رسول خدا کی شان کا ذکر کر رہا ہے اور ساتھ ہی ایک بندۂ خدا کے احوال ذکر کر رہا ہے تو وہ نعت کے ساتھ انصاف نہیں کر پائے گا۔ جن اذہان اور قلوب کو لمحہ بہ لمحہ اور قدم بہ قدم یہ احساس رہتا ہے کہ ذاتِ باری سب کچھ ہے اور اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے وہ خلاّق ہے، وہ رزاق ہے، وہ حکیم ہے، وہ علیم ہے، وہ خبیر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے بندے ہیں، انسانوں میں سب سے بلند اور عظیم تر، ان کی عظمتیں زبان وقلم سے بیان نہیں کی جاسکتیں مگر خالق اور مخلوق کے درمیان جو فرق ہے خدا اور رسول کے درمیان جو لکیر کھنچی ہوئی ہے اور جو نازک سا رشتہ ہے اس کو اگر ملحوظ نہ رکھا گیا تو نعت گو کے اپنے مقصد اور منہج سے ہٹ جانے کا خطرہ ہمہ وقت سر پر منڈلاتا رہتا ہے۔ گردوپیش سے بیگانہ ہوکر اور سچائیوں وصداقتوں سے نظریں ہٹا کر حمد اور نعت کے درمیان فاصلہ برقرار نہیں رکھا جاسکتا۔

حمد اور نعت کے چند اشعار اس خیال سے زیر قلم آگئے کہ قارئین کو ہماری بات سے اتفاق ہو اور جو تاثر میرے دل اور دماغ پر مرتب ہوا ہے اس تاثر کے وہ بھی شریک ہوں:

نہیں کچھ بھی اس کے سوا چاہتا ہوں — فقط آپ کا سامنا چاہتا ہوں
مرا جسم کب سے کڑی دھوپ میں ہے — تری رحمتوں کی ردا چاہتا ہوں
ترا در ہی وہ در ہے اے میرے مولا — نہ اٹھے ہے سر؛ جب اٹھا چاہتا ہوں
تو ہی میرا ملجا، تو ہی میرا ماویٰ — ترے جز کہاں دوسرا چاہتا ہوں

جذبوں کی فراوانی، عقیدتوں کی پاکیزگی، صداقتوں کی نورانیت کے ساتھ ساتھ، ایک تاثر، ایک کیفیت اور بیان کی خوبی اس حمد کا اصل سرمایہ ہے۔ مولانا فضیل احمد ناصری نے صرف الفاظ اور حروف کے گھروندے نہیں بنائے بلکہ معانی وافکار کی عمارتیں کھڑی کی ہیں۔ نعت میں ان کا رنگ دیکھئے:

سدا سے جس کے چرچے ہوں زمینوں، آسمانوں میں
انوکھا کیوں نہ ہو اس کا فسانہ سب فسانوں میں
عطا اس کو کیا ہو نام؛ حق نے جب محمدؐ سا
پڑھا کیوں کر نہ جائے وہ نمازوں میں، اذانوں میں
اسی مسکین کے فیضِ نظر کی یہ کرامت ہے
کہ غربت میں بھی قائم ہے مسلسل بانکپن میرا

یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ انہوں نے بڑی نکھری، ستھری نعتیں کہی ہیں، بہرحال ان کی شاعری اپنے آپ میں ایک رنگ رکھتی ہے اور ایک تاثر دل ودماغ پر مرتب کرتی ہے۔ میں ان کے پہلے مجموعۂ کلام پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ ان کی اس کوشش کو دارین میں سرفرازی وشانِ قبولیت عطا فرمائیں۔ آمین

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری
معتمد جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند

واردات قلب کا نقشِ جمیل

حضرت مولانا محمد شاہد الناصری الحنفی

نائب مدیر ماہنامہ حج میگزین، حج کمیٹی آف انڈیا، ممبئی

اس وقت میرے پیش نظر عصر حاضر کے جواں سال فاضل اور معروف عالم دین عزیزم مولانا فضیل احمد ناصری المتخلص عنبر کا مجموعۂ کلام بنام ''حدیث عنبر'' ہے جسے میں واردات قلب کا ایک نقش جمیل کہہ سکتا ہوں۔

شعر و ادب کی تخلیق کوئی کسبی شئے نہیں کہ اس کے اوزان کو ازبر کرلیا جائے یا قلب و دماغ میں بسا کر شاعری شروع کر دی جائے، بلکہ یہ ایک وہبی شئے ہے جس سے خالق کائنات کی طرف سے اپنے بعض مخصوص بندے کو ہی نوازا جاتا ہے اور جسے یہ نعمت ملتی ہے وہ اس سے کام لے کر بلا تکلف حسب موقع اپنے کلام موزوں کرتا چلا جاتا ہے، گویا یہ ایک واردات قلبی ہے کہ جب جب القا ہوتا ہے۔ لفظوں کے پیکر میں ڈھل کر زبان سے کلمے کی صورت میں ادا ہوتا ہے اور اپنے گرد و پیش میں رہنے والوں کو اپنے گرمیٔ نفس سے متاثر کرتا ہے، گویا شاعر بھی از خود قادر الکلام نہیں ہوتا۔ ماضی قریب کے ایک عظیم المرتبت بزرگ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھیؒ جن کا اصل میدان تو تصوف و معرفت، دعوت و ارشاد تھا مگر وہبی طور پر شاعرانہ صلاحیت سے بھی مالا مال تھے اور شاعری میں بھی تصوف کی تشریح کیا کرتے تھے، انھوں نے فرمایا ہے۔

کچھ اشارہ ہے ان کی جانب سے
اس لیے یہ غزل سرائی ہے

شعر و ادب کا تعلق کسی خاص مذہب یا کسی خاص زبان سے بھی نہیں بلکہ اس کا

تعلق خالص انسانی جذبات اور فکر شعور سے ہے جو زمانہ کے حالات سے متاثر ہو کر قلب پر القا ہوتا ہے۔ اسلام سے قبل کا زمانہ جو دور جاہلیت سے موسوم ہے، اس عہد میں جب کہ نوشت و خواند کا کوئی معقول سلسلہ نہ تھا اور نہ اس کے قابل ذکر اسباب ہی فراہم تھے، اس وقت بھی بکریاں چرانے والے اچھی شاعری کیا کرتے تھے، ایک چرواہا کہتا ہے۔

فاذا شربت فانني رب الخورنق والسدير
واذا صحوت فانني رب الشويهة والبصير

جب پی کر سرشار ہوتا ہوں تو قصر خورنق و سدیر کا مالک یعنی شہنشاہ ہو جاتا ہوں اور جب ہوش میں آتا ہوں تو وہی بکریوں اور اونٹوں والا ہوتا ہوں۔

البتہ ماضی بعید میں بہت سارے ایسے مقدس نفوس کے نقوش ہمیں ملتے ہیں جو اپنی وہبی شاعری کے ذریعہ جہاں اپنے دل کی سیر کیا کرتے تھے وہیں اپنی گرمیٔ نفس سے دوسروں کو شاد کام کیا کرتے تھے، گویا یہ شاعری خالق و مخلوق کے درمیان راز و نیاز اور رازہائے سربستہ سے نقاب کشائی کا ذریعہ تھی اور واقعہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں خود ایک بہت بڑی وسیع و عریض دنیا آباد ہے جس کی رونق و شادابی اور بہجت و رعنائی سے اگر انسان واقف ہو جائے تو اس کو جی بہلانے کے لئے اپنے گلستانِ دل کے علاوہ کسی دوسرے گلستاں کی ضرورت ہی نہ رہے۔ غالباً اسی طرف صاحبِ دل، صاحبِ درد شاعر خواجہ میر درد دہلوی نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

جایئے کس واسطے اے درد مے خانے کے بیچ
کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

ایک بزرگ اپنے وارداتِ قلبی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

شاعری پیش نظر ہم کو نہیں — وارداتِ دل کہا کرتے ہیں ہم
ایک بلبل ہے ہماری رازداں — کب کسی سے یوں کھلا کرتے ہیں ہم

یہی وجہ ہے کہ اکثر صوفیا مشائخ کے یہاں اردو کی ولادت سے پہلے فارسی میں شعر و سخن کا ایک طویل سلسلہ ملتا ہے۔ جن کے کلام اور نام دونوں کو نقش دوام حاصل ہوا۔

مولانا روم، مولانا جامی، حافظ شیرازی، سعدی، خاقانی اور ان جیسے بہت سارے معتبر نام ایسے ہیں کہ انھوں نے شعریت کو اعتبار بخشا اور مسند شعر وادب کو ان کی وجہ سے ممتاز مقام حاصل ہو، لوگ ان کے کلام کے دلدادہ اور ان کے درد دل سے متاثر ہوئے لیکن فارسی شاعری میں بھی اسی وقت جان آئی جب اس کا سلسلہ تصوف سے جڑا، چنانچہ علامہ شبلی نعمانی اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''شعرالعجم'' کی پانچویں جلد میں شعر وسخن کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: ''فارسی شاعری اس وقت تک قالب بے جان تھی جب تک اس میں تصوف کا عنصر شامل نہیں ہوا، شاعری اصل میں اظہار جذبات کا نام ہے، تصوف سے پہلے جذبات کا سرے سے نام ہی نہ تھا، قصیدہ مداحی اور خوشامد کا نام تھا، مثنوی واقعہ نگاری تھی، غزل زبانی باتیں تھیں، عشق حقیقی کی بدولت مجازی کی بھی قدر ہوئی اور اس آگ نے سینۂ و دل گرما دیے، اب زبان سے جو کچھ نکلتا تھا گرمی سے خالی نہیں ہوتا تھا، ارباب دل ایک طرف، اہل ہوش کی باتوں میں بھی تاثیر آگئی''۔

عزیزم مکرم عنبر ناصری کے مجموعۂ کلام پر نظر ڈالنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے سینے میں ایسا ہی گلستانِ دل رکھتے ہیں جو انہیں دوسرے گلستانوں سے بے نیاز کئے ہوا ہے۔ عنبر کی نظموں، غزلوں اور قصائد کے مطالعہ سے ان کے فکر کی پختگی، نقطۂ نظر کی بالیدگی، حیات وکائنات کی گہرائی اور ان کے شعر وادب سے فطری وابستگی کا علم ہوتا ہے۔ ان کے کلام میں کش مکشِ حیات اور اضطرابِ زندگی تو ہے ہی، ان کے علاوہ ہر فرد بشر کے دلوں کی دھڑکن بھی مستور نظر آتی ہے، ان میں درد بھی ہے، غم والم بھی، مسرت بھی ہے اور نغمگی بھی، اسلوب کی لطافت وشیرینی بھی ہے اور حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ اور مرثیہ بھی۔ وہ کہتے ہیں اور درست کہتے ہیں ۔

آدمیت رفتہ رفتہ ایسی عنقاء ہوگئی ☆ بھائی بھائی سے جہاں کا ہر بشر رنجور ہے

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ لکھتے ہیں: ''اردو شاعری فارسی شاعری کی پروردۂ نعمت ہے اس کا تغزل اس کی تشبیب، بہار کا مضمون، ساقی نامہ، مدحیہ قصائد کا گریز اور اس کی بہت سی مضمون آفرینیاں اور نازک خیالیاں فارسی شاعری کا چربہ اور

کہیں کہیں اساتذۂ ایران کے اشعار کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے جن کو (اگر بڑی احتیاط سے کام لیا جائے تو) اردو کہہ سکتے ہیں، لیکن اردو کی صوفیانہ شاعری ایران سے مستعار لی ہوئی چیز فارسی شاعری کی نقالی نہیں کہ یہاں جو کچھ ہے اصل ہی اصل ہے، کیفیات باطنی ہیں اور واردات دل۔ چاشنی ونمکینی، ترکیب کی چستی اور کلام کی برجستگی استعاروں اور تشبیہات کی نزاکت ولطافت یہ سب چیزیں مانگے کی ہوسکتی ہیں لیکن جوش ومستی، بے خودی ووارفتگی بغیر باطنی کیفیت، اندرونی سرشاری اور میخانۂ عشق سے براہ راست ربط وتعلق کے پیدا نہیں ہوسکتی''۔

[عرفان محبت ص۴]

عنبر کی غزلیہ اور نظمیہ شاعری بھی انہی قدیم وجدید روایتوں کا حسین امتزاج ہے اس لیے ان کو شعر وادب کے حوالہ سے اس وادی کے ''ذوالنورین'' شاعر سے ملقب کیا جا سکتا ہے، انہیں شعر وادب کی ہر صنف میں یکساں عبور اور قدرت حاصل ہے، پیش نظر کلام پر جب ایک نگاہ ڈالتا ہوں تو کلام کی بلندی، جامعیت ومعنویت اور اشعار کے روپ میں ان کے قلب کی گرمی ومستی اور زیادہ بے نقاب ہوکر سامنے آتی ہے، اس کو جدھر سے کھولیے اور جہاں سے پڑھیے یہ حدیث عنبر ہی نظر آتا ہے۔ یہاں پر اس کے کچھ نمونے مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر پیش کئے جارہے ہیں ۔

وہ قوم جس پہ فرض ستاروں کا کام تھا ␣ وہ غرقِ زن نشانۂ طاؤس و چنگ ہے
یا رب ہماری قوم کو شوقِ جہاد دے ␣ اب تک دلوں میں دہشتِ تیغ وتفنگ ہے

اور ۔

کیا ہوگا بتاؤ اے ہمدم اس گھر کے تمدن کا نقشہ ␣ خاتون جہاں آگے بڑھ کر دار نبھائے شوہر کا

خدا کرے یہ مجموعۂ کلام نہ صرف یہ کہ اردو شاعری کے باب میں ایک وقیع اضافہ شمار ہو بلکہ عوام الناس کے لیے سود مند اور عزیزم عنبر کے لیے بھی دنیا وآخرت میں کامیابیوں وکامرانیوں کا زینہ ثابت ہو۔

محمد شاہد الناصری الحنفی
نائب مدیر حج میگزین، حج کمیٹی آف انڈیا، ممبئی

اظہارِ خیال

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہٗ

ناظم المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد

شعر وسخن کا ذوق ایک خداداد عطیہ ہے اوراس کی اثراندازی کا ہر قوم اور ہر زمانہ میں اعتراف کیا جاتا رہا، خود حضور نبی کریم ﷺ نے اس کی اہمیت اور تاثیری صلاحیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا: ''ان من الشعر لحکمة'' (صحیح البخاری، حدیث نمبر ۶۱۴۵) یقیناً بعض اشعار حکمت سے پر ہوتے ہیں۔

یہ ایک دودھاری تلوار ہے، جس سے تعمیر سیرت واخلاق کا بھی کام لیا جاسکتا ہے اور تخریب وبگاڑ کا بھی، جب یہ ہتھیار دین بیزار وآدم آزار ہاتھوں میں پہنچ جاتے ہیں تو اخلاق کا خون ہوتا ہے، انسانیت کی عزت اور آدمیت کا وقار داؤ پر لگ جاتا ہے اور جب صالح فکر کی حامل شخصیتیں اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں تو افراد کی سوچ وفکر کو متاثر کرکے ذہنوں کو صحیح سمت پر لگاتی ہیں اور نسلوں تک ان کا فیض جاری رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جامعہ امام محمد انور شاہ کے استاذ حدیث مولانا فضیل احمد ناصری عنبرؔ قاسمی کو بھی اس میدان میں طبع آزمائی کی توفیق عطا فرمائی ہے اور صلاح کے ساتھ اصلاح کے جذبہ سے بھی نوازا ہے، وہ اپنی ان صلاحیتوں کو تعمیری نظموں، معیاری اشعار اور ادبی خدمات میں صرف کرتے ہیں، میں اس کوچہ کا راہ رو نہیں ہوں، لیکن محبّ عزیز کی خواہش پر ان کے کلام کو جابجا دیکھا، انہوں نے نہایت خوبی سے عمدہ معانی کو اشعار میں پرو دیا ہے، ان کا کلام سبک اور رواں ہے اور فنی خوبیاں بھی اس میں عیاں ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی صلاحیتوں میں اور ان کے کلام کے حسن میں اضافہ فرمائیں اور خوب سے خوب تر کی توفیق عطا کریں۔ آمین

خالد سیف اللہ رحمانی

المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد ۲۲/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ/ ۳۰/ ستمبر ۲۰۱۳ء

احساسِ قلب

حفید الانور

حضرت مولانا نسیم اختر شاہ قیصر صاحب مدظلہٗ

استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

عنوان بھی دلکش، نسبت بھی خوبصورت، پھر کلام پر نظر ڈالئے تو ہر سو نکھرے افکار کی روشنی سے ہر صفحہ اور ہر شعر اپنی پختگی کی داد طلب کرتا ہوا قدرت کے بے پناہ خزانوں سے سبھی کو کچھ نہ کچھ حصہ ملا ہوا اور سبھی پر افضالِ الٰہی کی مسلسل اور متواتر بارشیں، لیکن کم لوگ ہیں کہ جنھیں گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا گیا اور کم ہی خوش قسمت ہیں کہ جس راہ پر بھی چلے اس کا احساس دلانے میں کامیاب ہوئے کہ یہ راہ ان کے لیے نئی اور ناآشنا نہیں ہے۔ مولانا فضیل احمد ناصری اپنی عمر کے لوگوں میں اس اعتبار سے انفرادیت رکھتے ہیں کہ تحریر وقلم سے ان کے رشتے مضبوط اور مستحکم، تقریر وخطابت سے بھی ان کا قریبی علاقہ، درس وتدریس بھی ان کی فطرت کا حصہ اور ساتھ ہی یہ کہ شعر وسخن سے بھی ان کی بھرپور شناسائی اور وابستگی، انھوں نے ان تمام سمتوں میں کم وقت کے اندر ہی کمال حاصل کرلیا اور اسے قدرت کی مہربانی سے ہی تعبیر کرنا چاہیے کہ مولانا فضیل احمد ناصری کی ذات میں بہت سی چیزیں ایسی پائی جاتی ہیں جو ان کے معاصرین میں کم ہیں۔ درس وتدریس، تحریر وقلم اور تقریر وخطابت تو ہمارے حلقہ کے اکثر لوگوں کا مشغلہ ہے لیکن شاعری سے ان میں سے اکثر کو کوئی نسبت نہیں۔

مولانا کا مجموعۂ کلام ''حدیثِ عنبر'' میرے سامنے ہے اور جستہ جستہ میں نے اسے پڑھا ہے ان کے افکار میں مثبت پہلوؤں کا ایسا خزانہ چھپا ہوا ہے جو پڑھنے والوں کو

ایک ایسی دنیا میں اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کرتا ہے جہاں اچھائیوں کا چلن ہے، صالح جذبات اور نیک افکار کی ہوائیں ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تعمیر ذہن کے نمونے اس طرح ملتے ہیں کہ صاحبِ فن کے مزاج اور فطرت کو سمجھ لینے میں آسانی ہوتی ہے فضیل صاحب نری شاعری نہیں کرتے اور نہ انھوں نے الفاظ وحروف کو جوڑ کر ایسا جہان بسانے کی کوشش کی ہے جس کو سمجھنا اور سمجھانا دشوار ہو وہ بہت آسان اور سہل لہجے میں بات کہنے پر قادر ہیں اور جو بات کہتے ہیں اس کے اطراف وجوانب پر ان کی نظر رہتی ہے اور مختلف پہلو ان کے ذہن میں موجود رہتے ہیں۔ ادھوری اور نامکمل بات کہہ کر وہ اپنے قاری کو امتحان میں نہیں ڈالتے ابہام کی گتھیوں میں نہیں الجھاتے، ہاں تشبیہات واستعارات کا برموقع اور برمحل استعمال ان کے شعر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے جتنا کچھ میں نے ان کا کلام پڑھا یہ تاثر گہرا ہوتا گیا کہ اگر وہ سنجیدگی اور دلجمعی کے ساتھ اس صنف پر توجہ کریں تو بہت جلد وہ اپنا الگ مقام بنا لینے میں کامیاب ہوں گے۔

حسن وعشق کی وہ داستانیں، محبت کی وہ لازوال کہانیاں، ہجر وصال کا وہ تسلسل جو اردو شاعری کا ایک زمانہ تک امتیاز بنا رہا اور گل وبلبل کے تذکرے کے بغیر شاعری کو بے مزہ اور پھیکا سمجھا گیا وہ زمانہ دور جا چکا آج کا انسان جن مسائل اور حالات سے دوچار ہے جن اذیتوں اور کرب والم کا شکار ہے جس بے اطمینانی اور مایوسی کے درمیان جی رہا ہے اگر وہ سب کچھ شاعری کا حصہ نہ بن سکے یا شاعر ان تمام حقیقتوں سے صرفِ نظر کر کے آگے بڑھ جائے تو یہ شاعری وقت کا ساتھ دینے والی شاعری قطعی نہیں ہوسکتی۔ فضیل ناصری محبتوں کے شاعر ہیں لیکن صرف آنسو بہانا اور آہیں بھرنا ان کا شیوہ نہیں وہ اپنے گردوپیش سے واقف اور ان تلخیوں اور ناہمواریوں سے آگاہ ہیں جن کا درد آج ہر دل میں موجود ہے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے محبت کی زبان میں سچائیوں اور صداقتوں کو اس خوبی سے سمودیا ہے کہ ان کی شاعری گئے وقت کی آواز یا گم ہوتی صدا نہیں معلوم ہوتی جو کچھ انھوں نے کہا وہ اس دور کے انسان کا المیہ ہے اور جب شاعر کسی المیہ کو احساس وجذبات کی پوری توانائی

کے ساتھ بیان کرتا ہے تو بات کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔

مولانا فضیل ناصری نے ''حدیثِ عنبر'' پیش کر کے اس کا ثبوت بہم پہنچایا ہے کہ مبداء فیاض نے ان کی رہنمائی کی ہے اور انھوں نے حقیقت کو حقیقت کی نظر سے دیکھنے کے بعد موضوع سخن بنایا ہے۔ تمام خیالات اور افکار سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں ان کی زبان نثر اور نظم دونوں جگہ بڑی سبک اور سلیس ہے اور جب تک زبان میں سلاست نہ ہو یا افکار میں روانی اور طلسم نہ ہو اس وقت تک نظم کا سحر قائم نہیں ہوتا ان کی غزلیں اور نظمیں دونوں اس بات کی گواہ ہیں کہ ان کا ذہن تازہ اور فکر شاداب ہے۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ درس وتدریس اور تقریر وخطابت کے خشک پیشے سے تعلق رکھنے والا انسان اتنے شگفتہ خیالات رکھتا ہو اور شاعری کے تقاضوں کو پورے طور پر نبھانے کا سلیقہ رکھتا ہو۔ میں انھیں ان کی پہلی شعری کاوش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اس امید اور یقین کے ساتھ کہ ان کا شعری سفر اسی طرح جاری رہے گا اور ہر گزرنے والے دن کے ساتھ ان کی پروازِ تخیل بلندیوں اور بلندیوں کی طرف گامزن رہے گی۔

نسیم اختر شاہ قیصر
استاذ دارالعلوم وقف دیوبند
۱۹ر نومبر ۲۰۱۱ء

حرفِ چند

حضرت مولانا محمد ثناء الہدیٰ صاحب قاسمی

نائب ناظم امارت شرعیہ، بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ، پٹنہ

مولانا فضیل احمد عنبر ناصری القاسمی (ولادت ۱۳ر مئی ۱۹۷۸ء) بن مولانا جمیل احمد ناصری سے میرے تعلقات بہت قدیم نہیں، چند سالوں پر محیط ہیں، ان چند سالوں میں ان کے بارے میں جو کچھ جان سکا، اس کے مطابق وہ اچھے مدرس، بہترین خطیب، اور صاحب قرطاس وقلم نظر آئے، بعض جلسوں میں ایک اسٹیج پر جمع ہونے، محدث عصر کے مطالعہ، اور ان کے بعض شاگردوں کے احساسات سے ہمارے اس خیال کو یقین کا درجہ نصیب ہو گیا۔

ابھی ایک موقع سے جب انہوں نے اپنے مجموعۂ کلام پر کچھ لکھنے کی فرمائش کی، تو میں چونک سا گیا، اچھا تو جناب شاعری بھی کرتے ہیں؟ یہ میرے لیے نیا انکشاف تھا، اور جب ''حدیث عنبر'' میرے پاس پہونچی اور مطالعہ کیا تو حیرت انگیز استعجاب کے کئی مراحل سے گزرنا پڑا اور معلوم ہوا کہ جناب چھپے رستم نکلے، اتنی اچھی شاعری، اوزان وبحور کی پابندی، فکر کی بلندیٔ خیالات کی پاکیزگی اور اثر آفرینی کے ساتھ کم پڑھنے کو ملتی ہے، چنانچہ پڑھا، پڑھتا گیا، اور مبہوت ہوتا رہا۔

''حدیث عنبر'' کے وہ سارے مندرجات جو نظموں کی شکل میں ہیں، مومن کے قلب تپاں کی آواز ہیں، جن میں سوز وگداز ہے، اثر ہے، زندگی کو صحیح رخ دینے کا جذبہ ہے، ماضی پر آہ وبکا کے بجائے مستقبل کو فروزاں کرنے کی شعوری کوشش ہے۔

اس کوشش کو نتیجہ خیز بنانے والی ذات اللہ رب العزت کی ہے، اس لیے مجموعہ کا آغاز حمد سے ہوتا ہے اور اس ذیل میں چھ حمدیہ نظمیں درج ہیں۔ عنبر پر بندگی غالب ہے اس لئے اس ذیل میں جو اشعار ہیں، ان میں ''حمد خدائے تعالیٰ'' کے اشعار کے علاوہ بقیہ ساری

نظموں کے اشعار حمدیہ کم اور دعائیہ زیادہ ہیں، عنبر مانگتے مانگتے اور حقیقت کا اظہار کرتے کرتے یہاں تک پہونچتے ہیں کہ پکار اٹھتے ہیں ؎

میں غنی ہوں ما سوا سے، تری ''ذات حق'' کو پا کے
ترا جلوہ رہ گیا ہے، مری روح میں سما کے
مرے رب! طلب کا کب تک ؛ مری امتحان لے گا
کبھی شاد بھی تو کردے یہ ''حجاب رخ'' اٹھا کے

اور یہ کہ

نہیں کچھ بھی اس کے سوا چاہتا ہوں　　فقط آپ کا سامنا چاہتا ہوں
مرا جسم کب سے کڑی دھوپ میں ہے　　تری رحمتوں کی ردا چاہتا ہوں
نہایت غم زدہ قلب وجگر ہے آج عنبر کا　　تو اپنی دید سے اک بار مجھ کو شادماں کردے

حمد کے بعد ''آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی شان'' اور ''بارگاہ مصطفوی'' میں دو نعتیں مذکور ہیں، ان میں فکر کی بلندی اور تخیل کی پاکیزگی نمایاں ہے دو چار اشعار دیکھتے چلیں ؎

سدا سے جس کے چرچے ہوں زمینوں، آسمانوں میں　　انوکھا کیوں نہ ہو اس کا فسانہ سب فسانوں میں
وہ پیکر؛ آئینۂ قرآن، تفسیریں کرے جس کی　　وہ فطرت، جس کے دشمن بھی رہے تسبیح خوانوں میں
خدا کے بعد باعظمت اگر ہستی کسی کی ہے　　یہی پیغمبر حق ہے جہاں کے حکمرانوں میں

عنبر کو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ارفع واعلیٰ کا ادراک ہے، چنانچہ وہ یہ کہتے ہوئے سپر ڈال دیتے ہیں ؎

میں نعت لکھوں انکی، یہ تاب کہاں عنبر　　خود خالق عالم ہو جس ذات کا شیدائی

نعت کے بعد منظومات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، شاعر ''داستان الم بہ جناب باری تعالیٰ'' پیش کرتا ہے، جو اقبال کے شکوہ کی طرح طویل تو نہیں ہے اور نہ ہی اس ہیئت میں ہے لیکن رنگ پورا شکوہ کا لیے ہوئے ہے ؎

ہوا ہے ہر کوئی حامل تشدد کی کہانی کا　　نہ جانے کب رکے گا سلسلہ آتش فشانی کا
ترے بندوں نے محرومی سے ایسا دور پایا ہے　　وزن یکساں ہوا جس میں خدایا: خون پانی کا

الٰہی! یہ مصیبت تو مسلمانوں پہ بھاری ہے — مداوا کیا ہے مولا اس بلائے ناگہانی کا

اور پھر جناب باری کی طرف سے اس کا جواب بھی مرحمت ہوتا ہے۔

عمل سے تو نے کب اپنی "مسلمانی" دکھائی ہے — جہاں پر جان چھڑکتا ہے ہر اک پیروجواں تیرا
فقط شہرت کی خاطر مسجدیں اپنی بناتا ہے — نہ کیوں ہو بے اثر پھر قائد جادو بیاں تیرا
نبی کی زندگی سے "سیرت فولاد" پیدا کر — وگرنہ آگ برسائے گا پیہم آسماں تیرا

اور اسی شکوہ کے جواب میں عنبر کہتے ہیں:

حدیث مرسلاں ہو جا، خدا کا ترجماں ہو جا — تیری فطرت ہے افلاکی، سراپا آسماں ہو جا
نبوت کی اہانت کا تحمل موت ہے پیارے — نکل کر حلقۂ صوفی سے شمشیر وسناں ہو جا
اتر آئیں گے اب بھی لشکر نادیدہ نصرت کو — ذرا پہلے تو خود بھی اپنے دیں کا پاسباں ہو جا

منظومات کے دیگر مشمولات "سعودی عرب سے"، "ایک غیر مسلم کا سوال"، "مومن صادق کا جواب" آواز رحیل وغیرہ اس مجموعہ کی بہترین نظمیں ہیں، دور حاضر کی سیاست، دنیا، اس دور کا مسلمان "آزادی کے بعد" عصری حیثیت سے بھرپور نظمیں ہیں، جس میں رمز و کنایہ میں بڑی باتیں کہی گئی ہیں۔ تلمیحات کے سہارے تاریخ کے اوراق الٹے گیے ہیں، زمانے کے نشیب و فراز سے آگاہ کیا گیا ہے اور عواقب ونتائج کی طرف اشارے کیے ہیں، "صحابہ کرام" کے عنوان سے شامل نظم میں عقیدت ومحبت کا بھرپور اظہار ہے اور واضح کیا گیا ہے۔

نہ ہوتی یہ جماعت تو ہمیں دیں کیسے مل جاتا؟
انہیں کے فیض سے ہم لوگ راہ حق پہ چلتے ہیں

ایک نظم "دور حاضر کے علماء سوء" کے عنوان سے ہے اس نظم کا لہجہ جارحانہ ہو گیا ہے، مثلاً دیکھئے یہ اشعار۔

صورت میں ولی اور طبیعت میں ہیں انگریز — اس دور کے ملا نہیں چنگیز ہیں چنگیز
حق بات بتانے میں نہیں مجھ کو کوئی عار — جتنے بھی ہیں "شیخان حرم" سب ہیں شرانگیز
ہے بغض وعداوت سے عبارت تری ہستی — مانا ترا "انداز خطیبانہ" ہے "گل ریز"

حدیث عنبر میں غزلیات کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے، عنبر کی شخصیت کا بنیادی عنصر مذہب ہے، اس لیے ان کے افکار میں مذہبی اقدار غالب ہیں انہیں مٹتی قدریں، بے حجاب زندگی، عریاں اور ننگے جسم دیکھ کر کڑھن ہوتی ہے، معاشرہ کدھر جا رہا ہے؟ اور دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی؟ سوچ کر وہ محو حیرت ہیں۔

عریانیت کی ایک کرامت یہ دیکھیے — ہر برہنہ شمار ہے عزت ماٰب میں
بے پردہ جو ہیں ان کی کہانی ہی چھوڑیے — وہ بھی ہیں بے نقاب کہ جو ہیں نقاب میں
عریانیت کا بھاؤ ہے اتنا بڑھا ہوا — کپڑے کی کمپنی ہے سدا پیچ وتاب میں
مسلم بھی یاں گناہ میں اوروں سے کم کہاں؟ — پایا نہ میں نے فاصلہ آب وسراب میں

جدید غزل نے زندگی کے مسائل سے اپنے کو جس قدر ہم آہنگ کیا ہے، زلف وگیسو، کاکل وشانے کا ذکر اسی قدر پیچھے چلا گیا ہے، عنبر کی غزلوں میں بھی مسائل زندگی غالب ہیں۔

نہ کرنا اس صدی میں مجھ سے اے دوست
چراغوں اور پروانے کی باتیں

صالح قدروں کو ادب میں رواج دینے کا جو طرز جدید شاعروں نے اپنایا ہے، عنبر کی شاعری کو ہم اس طرز کی نمائندہ شاعری کہہ سکتے ہیں۔

لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ عنبر عشق ومحبت کے کوچے سے نابلد ہیں اور انہیں اس راہ سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، اس باب میں بھی اس مجموعے میں اچھے خاصے اشعار ہیں، جنہیں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ عشق کی گرمی نے شاعر پر بھرپور اثر کیا ہے اور "مکتب الفت" کے "تلمیذ جفاکش" کو محبوب کی ادائیں ہی یاد رہ گئی ہیں۔

دشمن کی دغا یاد نہ ناصح کا کہا یاد — اب کچھ نہیں مجھ کو تری یادوں کے سوا یاد
میں "مکتب الفت" کا ہوں "تلمیذ جفاکش" — کرتا ہوں بڑے لطف سے بس تیری ادا یاد

مولانا فضیل احمد ناصری حدیث کے استاذ ہیں اس لیے یہ رنگ ان پر غالب ہے، مجموعہ کا نام حدیث عنبر محدثانہ بھی ہے اور ادیبانہ بھی، اس کو پڑھ کر جہاں عنبر والی روایت کی

طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ادب وشاعری کی طرف بھی براہِ راست مشیر ہے۔
حدیث عنبر کے اسلوب آہنگ اور لفظیات کو دیکھیں تو یہ قوس قزح کی طرح ہیں، ان میں کہیں علامہ اقبال کا اسلوب، کہیں کلیم عاجز کا آہنگ اور کہیں میر کی لفظیات کا احساس ہوتا ہے، اور یہ سب عنبر کے اپنے رنگ وآہنگ سے مل کر نیا سر اور نئی آواز بن جاتے ہیں، نیا کیف اور نیا سرور پیدا کرتے ہیں اور قاری اس کیف وسرور میں ڈوب کر آخری صفحے تک مطالعہ کا عمل جاری رکھتا ہے، یہ مولانا فضیل ناصری کی شاعری کا کمال ہے، اور اسی کمال کے سہارے یہ مجموعہ شائقین شعروادب سے خراج تحسین وصول کرلے گا۔ایسی ہمیں امید ہے۔فقط

(مفتی) محمد ثناء الہدیٰ قاسمی
نائب ناظم امارت شرعیہ
ناظم وفاق المدارس الاسلامیہ
۱۶/رجب ۱۴۳۴ھ ۲۷/مئی ۲۰۱۳ء

فضیل احمد ناصری القاسمی کا شعری امتیاز

مولانا عبدالقادر شمس صاحب قاسمی
سب ایڈیٹر ہفت روزہ عالمی سہارا (انڈیا)

اردو شاعری کی زلف پریشاں کو سنوارنے اور اسے صحت مند ڈگر پر ڈالنے کی کوششیں گرچہ ہر عہد میں ہوتی رہی ہیں اور ہجر و وصال، رندی وسرمستی، کاکل وگیتی، گل و بلبل، بندیا وآنچل کی شاعری سے اوپر اٹھ کر انسانیت کو حق آدمیت سے آگاہ کرنے اور جبر کے ہر نوع کے خلاف آواز بلند کرنے کی روایت کو آگے بڑھانے کی کوششیں ہوتی رہیں لیکن علامہ اقبال، مولانا الطاف حسین حالی، اقبال سہیل، مولانا ظفر علی خاں، سید سلیمان ندوی، حفیظ میرٹھی، مولانا عامر عثمانی جیسے شعراء کے یہاں جو اسلامی شعور، فکری بالیدگی اور مقصدیت تھی وہ بعد کے دنوں میں کم ہی دیکھنے کو ملی۔کبھی کبھار شعروادب کے بحر بے کنار میں علامہ اقبال جیسے فکر وخیال کی کوئی کنکری اچھالی جاتی ہے، تو اس کی لہر کنارے تک پہنچتے پہنچتے دم توڑ جاتی ہے، تاہم صحت مند معاشرہ کی تشکیل اور پاکیزہ تصورات کی وکالت کرنے والے کچھ شعراء ضرور ہیں جو اپنے بابصیرت کلام سے شعروادب کی دنیا میں نئی روشنی بکھیر رہے ہیں، ایسے ہی شعرا میں فضیل احمد ناصری کو شمار کیا جاسکتا ہے۔

فضیل احمد ناصری از ہر ہند دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہیں جس کو دین کا ایک مضبوط قلعہ کہا جاتا ہے۔ جہاں سے ضلالت وگمراہی اور بدعت وبدعقیدگی کے خلاف ایک منظّم جنگ چھیڑی گئی، اسی ادارے سے انگریزی غاصبیت کے خلاف اعلانِ جہاد بلند کرنے والے جیالوں اور سورماؤں نے جنم لیا۔ دار العلوم کا ہی یہ کمال ہے کہ وہاں کے فیض یافتہ افراد نے جہالت وضلالت کی گھٹاٹوپ تاریکی میں علم ومعرفت کی ایسی شمع روشن کردی جس سے ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا فیض حاصل کر رہی ہے۔ جس ادارے کو اتنے

امتیازات حاصل ہوں، وہاں کے تربیت یافتہ افراد کے نوکِ قلم سے مقصدی اور اصلاحی پیغام کا عام ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں۔فضیل احمد ناصری کی مقصدی، افادی اور اصلاحی شاعری دارالعلوم کی حسن تربیت کا ہی نتیجہ ہے۔

موجودہ عہد کی فحاشیت اور عریانیت کے سیلاب بلاخیز میں زندگی کا ہر گوشہ پراگندہ ہو چکا ہے،شعروادب کا دامن بھی اس پراگندگی سے محفوظ نہیں رہ سکا۔شاعروں اور ادیبوں کا ایک بڑا طبقہ ہے جو ادب کی آڑ میں بے ادبی کو فروغ دے رہا ہے، ایسے میں فضیل احمد ناصری القاسمی کا تخلیقی امتیاز یہ ہے کہ ان کی شاعری نہ صرف لغویات سے پاک ہے، بلکہ اسلامی جذبات واحساسات کے فروغ سے عبارت ہے۔یہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا کہ ان کا تخلیقی رشتہ حالی اور اقبال کی فکر سے ہم آہنگ ہے۔فضیل احمد ناصری کی شاعری میں بھی اصلاحی اور افادی پہلو موجِ تہہ نشیں کی طرح رواں دواں ہے۔البتہ کہیں کہیں ان کا جذبہ ترشی لئے ہوئے ہے اور ان کا لہجہ بھی کافی سخت ہو گیا ہے، مثلاً یہ اشعار۔

میں اہل حق ہوں، مجھ کو زیر کرنا غیر ممکن ہے
کہ بھر رکھی ہیں اپنے بازوؤں میں بجلیاں میں نے
مری داڑھی سے میرے دشمنوں پر خوف طاری ہے
دکھائی ہیں کہاں اب تک چھپی سرگرمیاں میں نے
مجھے کچھ دن سے اب کچھ لوگ دہشت گرد کہتے ہیں
بڑھالی ہیں جوان کافر سے تھوڑی دوریاں میں نے

فضیل احمد ناصری القاسمی کے اشعار کی بہت سی ایسی خوبیاں ہیں جو قاری کی توجہ اپنی جانب مبذول کئے بغیر نہیں رہتیں۔جن میں سرِ دست مشرقی قدروں کی شکست وریخت، تہذیبی اقدار کی پامالی اور نئی نسل میں مغربی فیشن پرستی کے بڑھتے رجحان سے وہ کبیدہ خاطر ہیں، ان کا حساس دل ان برائیوں کے خلاف کڑھتا ہے، ان کا یہ لطیف جذبہ شعری پیرائے میں کس طرح ڈھلتا ہے۔دیکھئے:

آدمیت رفتہ رفتہ ایسی عنقا ہوگئی
بھائی بھائی سے جہاں کا ہر بشر رنجور ہے
صد حیف اب وفا بھی ہوئی حرف نامراد
اب کس پہ دل کو واریے، مشتاق مان کر
انسانیت ’ہما‘ کی صدا بن کے رہ گئی
آنکھیں بچا کے چلتے ہیں اب لوگ ’جان‘ کر
غیرت گئی، شباب لٹا، آبرو گئی
یورپ سے آگے کشورِ ہندوستان ہے

اچھی اور سچی شاعری ہر زمانے میں معتبر رہی ہے،اس کے پڑھنے اور پسند کرنے والوں کا لمبا سلسلہ رہا ہے،سماج میں عموماً اسی شاعری کو اعتبار اور قبولِ عام کا درجہ حاصل ہوتا ہے، جس کو پڑھ کر بلند حوصلگی کو فروغ ملے، جس کے مطالعے سے اولوالعزمی پیدا ہو، شاعری دراصل وہی ہے جو مردہ دلوں میں حرارت پیدا کردے۔فضیل احمد ناصری القاسمی کے مجموعے میں اس قبیل کے بے شمار اشعار مل جائیں گے جنہیں پڑھ کر کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔شاعری کا یہ رنگ بھی دیکھئے:

اونچا ہمالیہ سے بھی اپنا نشان کر
اٹھ اور اٹھ کے اپنی زمین آسمان کر
کب تک ترا وجود قفس میں رہے گا قید
پر کھول دے فضاؤں میں اونچی اڑان کر
ہے بس اسی کے واسطے تسخیر کائنات
جس کی فضائے علم میں اونچی اڑان ہے
اس کی مٹھی ہی نہیں چٹکی میں ہے یہ کائنات
اس کا سینہ عزم محکم سے اگر معمور ہے

فضیل احمد ناصری القاسمی شاعری کو حظ نفس یا تفنن طبع کا سامان نہیں سمجھتے ہیں اور نہ ہی وہ شاعری میں ہرزہ سرائی کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک شاعری کارِ پیمبری ہے جو سماج کے غلط دھارے کو موڑ سکتی ہے، جو اصلاح اور انقلاب کی راہ ہموار کرتی ہے۔ فضیل احمد ناصری القاسمی کے پورے شعری سرمائے میں ان کے اس ذوق جستجو کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔

فضیل احمد ناصری القاسمی نے آسان اور عام فہم زبان میں بڑی کارآمد باتیں کہی ہیں۔ اپنے اسلوب کو بھاری بھرکم بنانے کے لئے انہوں نے کوئی ایسی تاویلیں نہیں کاڑھیں جو نامانوس ہوں اور نہ ہی ایسے اسلوب کا سہارا لیا جس کی تفہیم کے لئے ذہن و دماغ پر زور ڈالا جائے۔ ان کی پوری شاعری میں راست جذبہ رواں دواں ہے، جس کو پڑھنے کے بعد اچھائی کی راہ وروش پر چلنے، نیکی کے راستے پر گامزن رہنے کی تلقین ملتی ہے۔ ان کی شاعری میں اقدار کی شکست وریخت کا نوحہ بھی ہے اور عصر حاضر کا منظر نامہ بھی ہے۔ انہوں نے مغربی تہذیب کی پیروی کے خلاف آواز بھی بلند کی ہے، نئی نسل کو انہوں نے ایک مثبت پیغام بھی دیا ہے جس پر عمل پیرا ہوکر کھوئے وقار کو حاصل کیا جاسکتا ہے اور دنیا میں فتح و کامرانی کا علم بلند کیا جاسکتا ہے۔ فضیل احمد ناصری القاسمی یقیناً تحسین کے مستحق ہیں۔ اس شعری مجموعے کی اشاعت پر میں انہیں دل کی عمیق گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

عبدالقادر شمس قاسمی
سینئر ایڈیٹر
عالمی سہارا اردو (ہفت روزہ)

قلبِ منوّر کا طلب گار......صاحبِ ''حدیثِ عنبر''

فضیل احمد عنبر ناصری

ممتاز صاحبِ قلم ومترجم جناب عزیز بلگامی صاحب

(سابق پرنسپل، زُبیدہ پری یونیورسٹی کالج برائے خواتین، کرناٹک)

شعری مجموعے یا دینی و ادبی یا کسی بھی موضوع پر صاحبینِ کمال کی آن لائن تصانیف، اِظہارِ خیال کے لیے جب بھی ہمیں موصول ہوتی ہیں تو، ان میں سے کوئی تو شائع شدہ تصنیف ہوتی ہے، یا پریس کو جانے کو تیار کسی نئی کتاب کا کوئی مسودہ ہوتا ہے۔ اول الذّکر پر اظہارِ خیال، کتاب کے تعارف و نکاسی کی ضرورت پوری کرتا ہے اور موخرالذکر کے لیے مضمون، کتاب کی زینت بن کر کتاب اور صاحبِ کتاب کے وقار میں اضافے کا باعث بن جاتا ہے۔

مولانا فضیل احمد عنبر ناصری صاحب کا مجموعۂ کلام پریس جانے کو تیار ہے، جسے ای میل کے ذریعہ ہم تک پہنچایا گیا تھا، اِس حکم کے ساتھ کہ ہم بھی اِس پر اِظہارِ خیال کی سعادت حاصل کریں۔ ظاہر ہے اِس پر ہمارے جو بھی تاثرات ہوں گے، وہ کتاب کا حصہ بنادئے جائیں گے، اور اِس بات کا فیصلہ بھی کریں گے کہ کتاب کی قدر و قیمت میں یہ کہاں تک اِضافے کا باعث بن پائے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ''قدر و قیمت میں اِضافے'' کے بجائے ہمیں یوں کہنا چاہیے : دراصل مولانائے محترم عنبر صاحب کے لیے یہ کوئی قابلِ فخر بات نہیں کہ عزیز بلگامی نے ''حدیث عنبر'' پر مضمون لکھا، بلکہ سعادت کی بات تو یہ ہے کہ مولانا فضیل احمد عنبر ناصری صاحب نے عزیز بلگامی کو ''حدیثِ عنبر'' پر اِس مضمون کی تحریر کا شرف بخشا ہے۔ جس پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

دو وجوہات ایسی ہیں جن کی بنا پر ہمیں اپنے اِظہارِ خیال کے دوران بہت زیادہ چوکنا و محتاط رہنا پڑ رہا ہے۔ ایک تو وجہ وہی ہے، جس کا ذکر ابھی ہم نے کیا، یعنی یہ کہ ہمارا یہ مضمون زیرِ طبع کتاب کا حصہ بننے جا رہا ہے، چنانچہ اس کے ایک ایک لفظ کا انتخاب حد درجہ احتیاط کا متقاضی ہے، ورنہ کسی بھی بے احتیاطی کے سبب خود اپنے ہی مضمون کے ذریعے ہماری اپنی مٹی پلید ہو سکتی ہے۔ دوسری اور نہایت اہم وجہ یہ ہے کہ جس کتاب پر ہم اپنے تاثرات قلمبند کر رہے ہیں، وہ ایک ایسے قد آور شاعر و فنکار کا مجموعۂ کلام ہے، جو اپنے علم و فضل کی بنا پر نہ صرف یہ کہ ایک بلند مقام پر فائز ہے، بلکہ جن کی اُٹھان ہی شعری اور ادبی نقطۂ نگاہ سے ایک گنگناتے ماحول میں ہوئی ہے، جیسا کہ خود ذی مرتبت شاعر موصوف فرماتے ہیں: ''شعر گنگنانے کی عادت خاکسار کو پانچ چھ کی سن سے ہی رہی ہے، بلکہ کہہ لیجئے اور پہلے سے، والدہ مرحومہ، والد محترم اور بڑے بھائی بہنوں کی گنگناہٹ نے اسے بھی اسی راہ پر ڈال دیا تھا......''، ظاہر ہے، گنگناتے وہی ہیں، جنہیں موزونیت کی شکل میں خدا کی جانب سے ایک خاص عطا میسر آتی ہے، جس کا فیض، عام نہیں ہوتا۔ اکثر اوزان اور بحور کی پیچیدگیوں کے درمیان گھر کر، نو مشق، نوجوان شعراء اِس سلسلے میں ہم سے استفسار کرتے رہے ہیں، کہ اوزان کا مسئلہ کیسے حل ہو؟ اِس کے جواب میں ہم اِن سے صرف یہی کہتے رہے ہیں کہ، شاعری کے میدان میں کودنے سے پہلے اِس بات کا جائزہ ضرور لیا کریں کہ کیا فی الواقع وہ اپنے اندر موزونیت کے جراثیم فطری طور پر موجود پاتے بھی ہیں یا نہیں۔ اِس کا طریقہ ہم اُنہیں یہ بتاتے رہے ہیں کہ شاعری کے نام پر جو کچھ بھی وہ لکھ رہے ہیں کیا وہ گنگنائے جانے کے قابل ہے یا نہیں! اگر ایسا وہ نہیں کر پا رہے ہیں تو شاعری کی زحمت نہ اُٹھائیں اور خود اپنے آپ پر احسان فرمائیں اور قلم و قرطاس سے وابستہ رہنے کا اِتنا ہی شوق ہے تو نثر نگاری کی طرف توجہ دیں۔

یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا، ورنہ ہم یہ عرض کر رہے تھے کہ جب اِس باکمال شاعر کی تصنیف پر ہم کچھ لکھنے بیٹھے تو مذکورہ دو وجوہ کے سبب، لکھنے سے پہلے ہی جیسے کچھ لمحات کے لیے ہم ٹھٹک سے گیے تھے، یہ سوچ کر کہ کیا ہم جیسے ہیچمدان بھی، اب اِس قابل ہو گیے ہیں

کہ مولانا عنبر ناصری صاحب جیسے فن کاروں پر اپنے تاثرات پیش کرنے کی جسارت کرنے لگ جائیں گے۔!! کیوں کہ شاعرِ موصوف کی زیرِ نظر کتاب میں ''پیش بندیاں'' کے زیرِ عنوان اُن کا ایک ایسا مضمون شامل ہے، جس میں اُن کی شخصیت اور اور اُن کے شعری پس منظر کے بارے میں بڑی اہم معلومات سامنے آئی ہیں اور اِس مضمون نے ہمیں بے حد متاثر کیا، اِس درجہ متاثر کہ اِس کے مطالعے میں ہم ایسے غرق ہو گیے کہ اِس حقیقت کو تقریباً بھول ہی گیے کہ ہمیں ایک مجموعۂ کلام پر اپنے تاثرات تحریر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مولانائے محترم جیسی محققانہ بصیرت کی حامل شخصیت کی ایک نادِر تحقیقی و تاریخی نثر پر ہمیں مضمون قلم بند کرنا ہے۔ تذبذب کے ایک عجیب دائرے میں ہم خود کو گھرا محسوس کر رہے تھے۔

کیوں نہیں، موصوف نے فصیح و بلیغ فقروں، متاثر کن جملوں کے ذریعہ ہم پر وہ جادو کیا کہ جی چاہ رہا تھا کہ بس پڑھتے جائیں، اور اِس مضمون کا اِختتام کبھی نہ ہو۔ شاید یہ ہمارا لاشعور ہی تھا جو بار بار ہمیں یاد دلاتا رہتا کہ، صاحبِ مجموعہ کی نثر نگاری پر نہیں اُن کے کلام پر اِظہارِ خیال کرنا ہے، لیکن ہم بضد تھے کہ اِس مضمون کے کیف سرور سے لطف اندوز ہونے میں ہمارا لاشعور بھی خلل انداز نہ ہونے پائے۔ یہیں سے اندازہ ہونے لگا کہ اِس قدر خوبصورت نثر لکھنے والا، جس پر شاعری کا گمان ہونے لگے، اپنی شاعری میں بھی یقیناً فکر و نظر کے خوشنما گل بوٹے ہی کھلائے ہوں گے۔ کتاب میں بیشتر اصحاب قلم نے معنی آفرینی سے مملو اُن کے اشعار کے خوب حوالے دیے ہیں۔ چاہے تو ہم بھی اُن کے اشعار کے حوالے دے سکتے ہیں، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اُن کے لیے اپنی تہنیت کو ایک ندرت سے روشناس کریں یعنی کیوں نہ ہم پہلے اُن کے کچھ خوبصورت فن پاروں کی ہی ایک بساط بچھا دیں، تا کہ سخن شناسوں کو اندازہ ہو جائے کہ وہ قرطاس و قلم کے ساتھ اِس وقت کس مقام پر متمکن ہیں، اور ہم جیسے چھوٹے لوگ کس طرح اِس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے دامن کو اِس مضمون کے ذریعہ حاصل ہونے والی سعادتوں سے بھر رہے ہیں:

ایک جگہ فرماتے ہیں: ''......دس بارہ دن قیام کے بعد پھر پاکستان گئے تو واپس

نہ لوٹے ، اس دوران ان سے ملاقات کے لئے خاکسار نے ہی پاکستان کا احرام باندھا ......‘‘۔ایک جگہ اور فرماتے ہیں:’’......کہا جاتا ہے کہ بہار جس طرح مردم خیز ہے مردم خور بھی ہے، پتہ نہیں یہ بات کس حدتک درست ہے مگر یہ درست ہے کہ بہار کے اکثر علماء نے اپنے فضل وکمال کے باوجود محض حقیقی تواضع ،کسرِ نفسی کی بنیاد پر زمانہ کو اپنی شناسائی سے محروم رکھا ......‘‘۔ یہ جملے ملاحظہ ہوں:’’...... یہاں بھی باضابطہ شاعر کا اگرچہ ایک گونہ فقدان ہی تھا لیکن ادق اردو زبان یہاں بھی رائج تھی اور وہ بھی تب سے جب سے اردو آئی تھی ، دادا مرحوم مولانا عبدالرشید ناصری گورسمی عالم نہ تھے مگر بہترین خوش خط ہونے کے ساتھ عمدہ ادیب بھی تھے ، اردو اتنا نستعلیق اور شستہ لکھتے کہ پڑھتے اور دیکھتے ہی بنتی......‘‘۔اِن الفاظ کے تیور ملاحظہ ہوں:’’......حالاں کہ رمضان کے مقدس ماہ میں اتنی فرصت کہاں کہ خامہ فرسائیوں کے لئے کوئی گنجائش نکل سکے،لیکن دل کا درد روکے نہ رک سکا اور الفاظ کا جامہ پہن کر ہی اس نے راحت کی سانس لی......‘‘۔مدرسہ کے باورچی کا یہ تذکرہ تو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے:’’......مدرسہ کا باورچی عجیب ہیئت کا تھا، آواز زنانہ، رفتار زنانہ، انداز زنانہ،غرض کہ مرد محض نام کو تھا، ورنہ اس کی ہر ادا مستورات والی تھی ، ہمیشہ دوپٹہ اوڑھے رہتا، اپنے لئے مؤنث کے صیغے استعمال کرتا، کھانا خوش ذائقہ تو کیا بناتا، ایسا بھی نہ بنا پاتا کہ طلبہ آسانی سے اتار سکیں،تاہم یہ طباخ ادارہ کا جزو اہم تھا،اس کے دور میں کتنے ہی طباخ آئے اور چلے گئے۔مگر یہ ٹکا ہوا تھا،مشق سخن شروع کی تو پہلا ہدف اسی کو بنایا، مدرسہ کے ترانہ کی زمین اور بحر پر تنقیدی اشعار لکھ دیئے گئے جو اسے پڑھ پڑھ کر سنائے گئے ، ہم ذوق طلبہ تک جب یہ اشعار پہونچے تو انہوں نے بھی وقت بے وقت پڑھنا شروع کردیا اور اس کے پاس جا جا کر۔ وہ بے چارہ کوفت ہو کر بار بار دھمکیاں دیتا کہ ناظم صاحب کو کہہ دوں گی، مگر کون سنتا؟ ساتھیوں میں ناچاقی ہوتی تو ’’ہم خیال‘‘ طلبہ آتے اور مخالفانہ اشعار کی فرمائش کرتے ، بندہ تک بندیاں کردیتا۔خوب ہوا چلتی ،مصرعے دوہرائے جاتے ،اشعار پڑھے جاتے ، حالانکہ بلند پروازی، نازک خیالی، ژرف نگاہی اور بالِ عنقا پکڑنے کے فن سے یکسر ناآشنا تھا......‘‘۔آج کل کے کمرشیل مشاعروں کے بارے میں

اِن کا یہ اِقتباس عبرت ناک منظر پیش کرتا ہے، تاہم اسلوب اور اِس کی ادبی چاشنی تلخ حقیقت کو تک دل کش بنا دیتی ہے:’’...... اشعار سے اب لوگوں کو دل چسپی کہاں ، مشاعرے ضرور منعقد ہوتے ہیں ، اشعار بھی پڑھے جاتے ہیں ، مگر قدیم روایتوں کو جس طرح ان مشاعروں میں مسترد کردیا گیا ہے، اس سے ہمت اور ٹوٹ جاتی ،لوگ کہتے ہیں کہ مشاعروں سے ادب پھیلا ہے، زبان مضبوط ہوئی ہے، اس کا دائرہ اور وسیع ہوا ہے، اس خیال میں دم تو ہے مگر یہ اس دور کی بات ہے جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے، جہاں تک موجودہ مشاعروں کا حال ہے تو واقعہ یہ ہے کہ مشاعرے گلیمر ہی کی ایک نئی شکل بن چکے ہیں، یہ اسی وقت کامرانی کے زینے طے کرتے ہیں جب ان میں حسن کی جلوہ فرمائیاں بھی ہوں، گھنی زلفوں کا اظہار اور موٹے میک اپ بھی ہوں، جسم کی نمائش بھی بے شرمی کے ساتھ ہورہی ہو، پھر اشعار اتنے فحش کہ جوان اپنے شباب کی بربادی پر اتر آئیں۔ گویا فلمی دنیا ہے جہاں اداکار کے ساتھ اداکارہ کا ہونا بھی از حد ضروری ہے اور وہ بھی ایسی اداکارہ جو جمال کے ساتھ شوخ ادائیں بھی رکھتی ہو، مشاعروں میں ذوق ادب کی تعمیر عنقا ہوکر رہ گئی، شعروسخن کے نام پر اب جو محفلیں منعقد ہورہی ہیں ان میں ’’تعمیر ادب‘‘ کم اور ’’تفریح نظر‘‘ زیادہ منظور ہوتی ہے، احقر نے یہی کچھ دیکھ کر کہا تھا ؎

ہماری بزم ادب میں شریک ہیں جتنے ☆ فقط جمال کے شیدا ہیں فکر وفن کے نہیں

اِسے ملاحظہ کریں:’’......دماغ اتنا چلتا کہ ہر دوسرے تیسرے دن ایک غزل تیار ہوجاتی ، پھر تو عالم یہ ہوا کہ ضرورت منداِدھر کا رخ کرنے لگے، کوئی سہرے کی فرمائش کرتا، کوئی ترانہ کی درخواست ، وقت کا ناقدرا تو تھا ہی، اس کا خون بہا کر درخواست کرنے والوں کو خوش کرتا رہا......‘‘۔’’ضرورت منداِدھر کا رخ کرنے لگے‘‘......کا تو جواب نہیں۔

میں جانتا ہوں محترم عنبر صاحب یقیناً برا مان جائیں گے اگر میں اُن کی شاعری پر اِظہار خیال سے پہلوتہی کروں۔لیکن یہ حقیقت وجہ اطمینان ہے کہ شاعر موصوف ’’عصر حاضر کے میر تقی میر جناب ’’ڈاکٹر کلیم عاجز‘‘ صاحب کے شاگردوں میں سے ہیں۔ میں صرف اِتنا چاہوں گا کہ موصوف کے کلام سے میرے اپنے پسندیدہ شعر بلاتبصرہ قارئین کی

نذر کردوں، کیوں کہ مضمون کا دامن ہمیشہ تنگ ہی ہوتا ہے:

ہیں امیر ہی کو جینے کے حقوقِ عام حاصل
یہاں مفلسوں کا کوئی بھی گزر بسر نہیں ہے
تقدیر کا کاتب مرا ہمراز لگے ہے
تا "عرشِ بریں" اب مری پرواز لگے ہے
دنیا کی کسی شے پہ بھروسہ نہیں کرتے
ہم وہ ہیں جو ایمان کا سودا نہیں کرتے
خدا کی جستجو باقی نہیں ہے
دلِ اللہ ہُو باقی نہیں ہے
پڑھا کرتا ہوں روز وشب نمازیں
مگر میرا وضو باقی نہیں ہے
میری ہستی سے تجھے اتنی عداوت کیوں ہے
مردِ مسلم ہوں؛ کوئی "بندہ الحاد" نہیں
گلشن گلشن آگ کا منظر
دریا دریا خوں کا سمندر
قریہ قریہ بم کے دھماکے
کوچہ کوچہ برسے پتھر
کشتیٔ ملت ڈوب رہی ہے
اونگھ رہا ہے مردِ قلندر
کوئی نہیں مفلس کا یہاں پر
بیٹھ کے بِلکے، روئے عنبر
ایسے نہ ٹل سکیں گی ابد تک تباہیاں
ہاتھوں میں کوئی عدل کا پیمانہ چاہیے
ہرگز سکوت سارے مرض کی دوا نہیں
کچھ کے لئے تو جرأت رندانہ چاہیے
گر تجھ میں ہو نہ موج سے لڑنے کا حوصلہ
اے بے ضمیر جا کے کناروں سے پیار کر
میرا جگر نہیں کہ جھکا دوں جبیں تمام
محبوب ایک اور ہزاروں سے پیار کر؟
اٹھ کہ اب ہنگامۂ محشر بپا ہونے کو ہے
تیرا یہ آرام دہ، یہ نرم بستر کب تلک
ڈوبتا انسان لمحے بھر کو ابھرا بھی تو کیا
یہ جہانِ نور، یہ "خورشیدِ خاور" کب تلک
"بادۂ تہذیب حاضر" مست رکھتا ہے تجھے
گرچہ رہرو کے لئے: "بانگ درا" رہتا ہے تو
اٹھ! کہ "چشمِ دہر" کو ہے: صرف تیرا انتظار
برق کر خود کو؛ کہ "پابندِ حنا" رہتا ہے تو
اپنی فطرت کو "فسونِ مہر" سے بے گانہ رکھ
کارواں کی گرد کی صورت؛ فنا رہتا ہے تو
لہو دے دیں گے، لیکن ہم ہیں وہ خوددار دیوانے
ترے دربار سے اک چیز بھی ہمدم نہیں لیں گے
جلاتی جائے بجلی ہم نہ چھوڑیں گے مشن اپنا
نشیمن جب تلک قائم نہ ہوگا؛ دم نہیں لیں گے
ہمیں کے خون جگر سے اسے حیات ملی
ہمیں سے لوگ کہے ہیں کہ اس چمن کے نہیں

ہماری بزم ادب میں شریک ہیں جتنے
وہ شاعرات کے شیدا ہیں فکر وفن کے نہیں
رسول اللہ کے سانچے میں سو فیصد جو ڈھلتے ہیں
وہی "اصحابؓ" کہلاتے ہیں "جنت" میں ٹہلتے ہیں
وہی اصحاب جو "دین ہدیٰ" کے واسطے ہر دم
کبھی کانٹوں پہ چلتے ہیں کبھی گرمی سے جلتے ہیں
دنیا ہے نام؛ دجل وسراب وخیال کا
بھولے سے نام مت لے یہاں اس وبال کا
اس "زلف مشکبو" پہ نہ اترائیں اس قدر
ایسا نہ ہو کہ یہ کوئی گیسو ہو "زال" کا
صورت میں ولی اور طبیعت میں ہیں "انگریز"
اس دور کے "ملا" نہیں چنگیز ہیں چنگیز
اب تیری نواؤں میں نہیں "جوہرِ تاثیر"
سونے دے زمانے کو؛ چپ اے "مرغِ سحر خیز"
حق بات بتانے میں نہیں مجھ کو کوئی عار
جتنے بھی ہیں "شیخان حرم" سب ہیں "شر انگیز"
کھو دیا ہے جس کو تو نے اب اسے مڑ کر نہ دیکھ
حرفِ باطل کو "کتاب زیست" میں شامل نہ کر
کون ہے جس نے چکھی ہو "لذت آبِ حیات"
عارضی "نقش منور" پر نچھاور "دل" نہ کر

یہ شعر وہ ہیں، جنہیں فکر آخرت کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں آج غم واندوہ، مصائب وآلام، بے چینی واضطراب کی جو ہوائیں چل رہی ہیں، اِلٰہی پیغام کے حوالے سے اِن کا رُخ موڑنا ایک ایسی ضرورت ہے، جس کا ذریعہ اگرچہ کہ صرف اور صرف شاعری نہیں بن سکتی، لیکن بہت بڑا رول ضرور ادا کر سکتی ہے۔ کیوں کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مادّیت زدگی کے مارے انسانوں کا سہارا ہر زمانے میں وہ لطیف جذبات واحساسات ہی رہے ہیں جو شاعری کے ذریعے اُبھر کر سامنے آئے ہیں یا لائے گیے ہیں۔ ہمیں اسرائیلیات میں ایک اقتباس ملتا ہے، جو اگرچہ کہ حسب معمول تحریف کے نقوش بھی اپنے اندر رکھتا ہے، تاہم اِس میں ایک نادر تاریخی حقیقت تحریف کے پردوں سے بھی ہمیں خوب جگمگاتی دکھائی دیتی ہے، جو حضرت داؤد علیہ السلام اور آسمانی کتاب زبور سے متعلق ہے۔ ہم یہ اصل اقتباس اور اس کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں:

(ترجمہ: بہت ممکن ہے، روحانی اور مذہبی اتھل پتھل ہی شاید تاریخ میں شاعری کی تخلیق کا پہلا ذریعہ ثابت ہوئی ہو۔ ممکن ہے پوری تاریخ میں منظومات کی بڑے پیمانے پر پڑھی جانے والی پہلی کتاب، ضرور بالضرور "زبور" ہوگی (جسے مضامیر داؤد بھی کہا جاتا ہے) اور

جسے داؤد علیہ السلام نے تحریر کیا تھا (اصل میں یہ آسمانی کتاب تھی اور بنی اسرائیل میں اِسے داؤد علیہ سلام کی تصنیف کے طور پر مشہور کیا گیا: عزیز بلگامی)۔ یہ کتاب مناجات پر مشتمل تھی اور شاعری سے بھر پور تھی، جس کے ذریعہ داؤد علیہ سلام اپنے رب سے اپنی محبت کا اِظہار فرمایا کرتے تھے، اپنے جذبۂ عبودیت، غم اور اپنے اشکالات لحنِ داؤدی میں پیش فرماتے رہتے تھے۔ ابتدائے آفرینش سے ہی، اِنسان، بذریعہ شاعری اپنی زندگی کے گہرے معانی کی جستجو میں رہا ہے......)۔ (حوالہ: پوئیٹری امیریکا ڈاٹ کام)۔

افسوس کا مقام ہے کہ اِس موثر ذریعہ کو اِنسانی فلاح کے لیے اِستعمال کیے جانے کا عمل یکلخت رک سا گیا ہے۔ ایسے میں مولانا عنبر ناصری صاحب اور اِن کی شاعری اُسی داؤدی مشن کی تکمیل کا مظہر نظر آتی ہے جس کا ذکر مذکورہ بالا انگریزی اقتباس میں کیا گیا ہے، خصوصاً اُن کی موضوعاتی نظمیں شاہ کار ہیں اور جن کے لیے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

مجموعی طور پر فکرِ دینی پر مبنی کلام پر مشتمل اُن کی اِس بیش بہا تخلیق ''حدیثِ عنبر'' کے لیے اُن کی خدمت میں اپنی دلی مبارکباد پیش کرتے ہوئے دست بہ دُعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ملت کے اِس وفا شعار شاعر کے علم و فضل کو اِتنی بلندی عطا فرمائے کہ وہ روشنی کا ایک مینارہ بن جائے اور اپنے اِنسانیت نواز پیغام کی کرنیں اپنی شاعری کے حوالے سے سارے عالم میں پھیلائے، تاکہ گم کردہ راہ تاریکی پسند اِنسانیت ایک بار پھر اپنے معبود کو پہچان لے اور اپنے مقصدِ حیات سے واقف ہو جائے۔ آمین۔☆

مقدمہ

علامۃ العصر حضرت مولانا ابوظفر حسّان ندوی ازہری مدظلہٗ

بھیونڈی، ضلع تھانے، مہاراشٹر

پچھلے سو سال سے ایک عجیب روایت قائم ہوگئی کہ ادبیات اردو سے علما کا تعلق ٹوٹتا گیا اور نوبت بایں جا رسید کہ ادبیات اردو سے علماء کی وابستگی ناپسندیدہ نہیں تو پسندیدہ قرار نہیں دی گئی۔ یہ بات بھی غلط نہیں ہے کہ اس بیچ بڑے اور لائق فضلاء دینی مزاج اور روحانی تربیت یافتہ حضرات کی خاصی بڑی تعداد نے شعر و شاعری سے اپنا رابطہ قائم رکھا، ان کے شعری مجموعے بھی ہیں اور ان کی دیگر ادبی تصنیفات بھی۔

اس کی ایک وجہ تو خالص دینی اور مذہبی ہے اور اس کا سلسلہ حضرت امام شافعیؒ کے اس شعر سے ملتا ہے۔

فلولا الشعر بالعلماء یزری ☆ لکنت الیوم اشعر من لبید

کہ اگر شعر علماء کے شایان شان ہوتا تو میں آج لبید سے بڑا شاعر ہوتا، عربیت میں امام شافعیؒ کا مرتبہ بہت اہم ہے لیکن ان کی شناخت امام فقہ کے طور پر ہوئی ہے چنانچہ ہمارے علماء نے بھی اپنی شناخت علمی، دینی اور روحانی برقرار رکھی ہے، اسی باعث علماء کو شاعری میں انہماک نہیں رہا اور نہ ہی انھوں نے اپنے کو بطور شاعر پیش کیا۔

دوسری بڑی وجہ یہ رہی ہے کہ غیر دینی رجحانات کے حامل افراد نے کچھ اس انداز کی فضا قائم کی جو علما کے لیے ناسازگار رہا اور وہ اس میدان میں آتے ہوئے ہچکچائیں، اس کی وجہ بھی معلوم ہے وہ یہ کہ ان افراد کو اپنے خیالات و نظریات، اپنی کارگزاریوں اور کارستانیوں کو بروئے کار لانے کا موقع حاصل ہوا اور خم خانۂ شعر ''محتسب'' سے محروم ہو کر

صرف ساقی کی نگرانی میں اپنے شب و روز گزارتے رہیں، یہ سچ ہے کہ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ زبردست شعری صلاحیتوں کے حامل تھے اور انھوں نے اس وقت اشعار کہے جب غالبؔ کی بساط اٹھ رہی تھی اور داغؔ کے کلام کی دھوم مچ رہی تھی، ایسے ماحول میں اپنی طرف متوجہ کرنا شیخ الہند کی شاعری کا اپنا کارنامہ ہے، اس سے پہلے مولانا حالیؒ، علامہ شبلی نعمانیؒ اور پھر ان کے بعد بھی علماء کے شعری رجحانات سامنے آتے رہے ہیں، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے والد مولانا سید عبدالحئی حسنی شعر کہتے تھے یا نہیں کہتے تھے مجھے اس کا علم نہیں ہے لیکن انھوں نے ''گل رعنا'' لکھ کر ادبی دنیا میں ایک سنگ میل قائم کر دیا۔

میں نے چند مثالیں پیش کی ہیں، استقصاء نہیں کیا ہے اور نہ یہاں فہرست گنانی منظور ہے، بتانا صرف یہ مقصود تھا کہ کسی بھی دور میں حلقۂ علماء میں شعر کہنے والے، شعر پرکھنے والے موجود رہے ہیں، فارسی میں تو یہ بات اس حد تک عام تھی کہ شعراء پسند نہیں کرتے تھے کہ علماء تک ان کے اشعار کی رسائی ہو چنانچہ فارسی کا یہ مشہور مقولہ ہے ''شعر مرا بمدرسہ کہ برد'' (شعر کو مدرسہ تک کون پہنچا گیا؟) وجہ ظاہر ہے کہ وہاں نقد و بصر کے پیمانے وہ نہیں ہیں جو عام شعراء کی طبیعت یا مزاج کے موافق ہوں۔ اسی لیے زاہد، محتسب، واعظ اور ناصح شعریات میں معتوب ٹھہرا اور اسے نقط اور بے نقط سے خوب خوب نوازا گیا۔

مجھے ذاتی طور پر خوشی اور مسرت ہے کہ عزیز محترم مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی نے اس میدان میں قدم رکھا ہے اور مضبوط قدم رکھا ہے، وہ قدم جس میں ارتعاش نہیں ہے، انھوں نے اشعار کہنے کی یہ جو بحریں اختیار کی ہیں وہ بھی رواں اور سلیس ہیں، انھوں نے شعر کو فن ترازو سے نہیں گزارا بلکہ ان کے اشعار فنّی سانچوں میں ڈھلے ہوئے اترے ہیں، اس کا مطلب کہ فکر سخن کے باوجود ان کے یہاں آمد ہے۔ آورد ''نہیں'' کے برابر ہے جو اپنی جگہ خود ایک قابل قدر شئی ہے۔

''حدیث عنبر'' اس شاعر کا مجموعہ ہے جو جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند سے وابستہ اور منسلک ہے، میری مراد اس عظیم ہستی سے ہے جو اپنے تدریسی عہد میں بلا شرکت غیرے

ایشیاء کا سب سے بڑا استاذ تھا۔ جس کے علمی تبحر اور وسعت مطالعہ کا اندازہ آج بھی کم علماء کو ہے۔ ان کی شہرت استاذ حدیث کی حیثیت سے ہوئی اور جو یقیناً ان کے لیے اور خود دارالعلوم دیوبند کے لیے ایک اعزاز ہے۔ اس شناخت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کی نگاہ اور علوم پر نہیں تھی ان کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب وہ پڑھتے تھے تو محیط ہو کر پڑھتے تھے، چنانچہ انھوں نے ایک جگہ علامہ شامیؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کے بیچ موازنہ کر دیا اور لکھا کہ شاہ عبدالعزیزؒ تفقہ میں شامیؒ سے بڑھ کر تھے، میں نے جملۂ معترضہ کے طور پر یہ لکھ دیا ہے اور وہ بھی بے وجہ نہیں۔ مولانا فضیل احمد ناصری کی نسبت سے اس بات کا آنا ضروری تھا۔

حدیث عنبر تقریباً جملہ اصناف سخن پر مشتمل ہے جو ان کی قادر الکلامی کی بڑی دلیل ہے، قدماء نے اسے شاعر نہیں مانا، جس نے قصیدہ نہیں کہا، فضیل احمد ناصری کے یہاں قصیدہ بھی ہے اور مرثیہ بھی۔ وہ زندگی کی بقا اور دوام سے بھرپور اعتنا برتتے ہوئے موت کی حقیقت اور اس کی سچائی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے، ان کے یہاں غزلیں خاصی طرح دار ہیں اور اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ زیب قرطاس بنی ہیں، ان کا قلم لفظ ڈھالتا ہے اور ان کا شعر پیکر ڈھالتا ہے، فکر کو پیکر میں ڈھالنا صراحی سے خم میں انڈیل نہیں ہے، یہ پتّہ ماری اور جاں کاہی ہے جہاں خارا شگافی ہوتی ہے۔ کوہ شکنی ہوتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نواح سے ''حدیث عنبر'' کا شاعر بے خطر و بے ضرر گذرا ہے۔ اس کے لیے سودا کی برہنہ پائی اور میر انیسؔ کی سیاحی مشعل راہ بنی ہے۔ اس نے غالبؔ سے انحراف لیا، ذوقؔ سے وضع داری لی، مومنؔ سے صلابت لی، داغؔ سے بانکپن لیا، امیرؔ سے سلامت روی لی، حالیؔ سے مقصدیت لی اور اقبالؔ سے آہنگ لیا اور پھر اس آمیزے کو دوآتشہ سہ آتشہ نہیں بلکہ چہار آتشہ بنا کر ''حدیث عنبر'' کی شکل میں قاری کی نذر کر دیا، اب شعر فضیل ناصری کے ہیں اور فکر و فہم قاری کی ہے اور ان دونوں کے درمیان جو خلیج ہے اسے پُر کرنے والا حقیقی قاری کہلائے گا۔ مجھے اس بات پر اطمینان ہے کہ فضیل ناصری کی شاعری علمی بنیادوں پر مستحکم شاعری ہے اور یہ ابھی ابتداء ہے ؎ اس مبتداء کی دیکھیے نکلے خبر کہاں

مدارس اسلامیہ کے طلبہ جانتے ہیں کہ ایک مبتداء کی کئی خبریں ہوسکتی ہیں اور ہوں گی، ہمیں امید ہے کہ ان کے اس شعری سفر میں مزید نکھار آئے گا، شعریت زیادہ واضح ہوگی، فنی جمال اجاگر ہوگا، اس وقت ان کی شاعری با کمال ہوگی۔

ابوظفر حسان ندوی ازہری
دامنِ حرم نبویؐ
شب ۲۹ر رمضان المبارک
ساعت قیام اللیل

پیش بندیاں

بات نہ مبالغے کی ہے نہ دعوے کی، نہ لفاظی کی اور نہ سخن سازی کی، سچ ہے اور سو فی صد سچ، شاعری تو بعد میں کی مگر اس کا تخم کہہ لیجئے کہ اُدھر سے ہی لے کر آیا تھا، کچھ گھر کا شاعرانہ ماحول بھی اس میں مؤثر رہا، خوب اچھی طرح یاد ہے کہ کسی مہمان کی آمد کی خبر سن کر والدہ محترمہ یہ اشعار بڑے چاؤ سے گنگنایا کرتی تھیں۔

اے ابرکرم ذرا تھم کے برس — اتنا نہ برس کہ وہ آنہ سکیں
جب وہ آجائیں تو جم کے برس — اور اتنا برس کہ وہ جانہ سکیں

یہ اشعار بندہ نے ان کی زبان سے اتنی بار سنا کہ ان ہی کے دور میں یاد ہوگئے، بعد میں ان کے کچھ اور حصے بھی نظر سے گزرے لیکن نہ تو انہیں یاد کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی وہ حافظہ میں اپنی جگہ بنا سکے، والدہ محترمہ سے یہ اشعار اس وقت سنے تھے جب عمر ۵/اور ۶/ برس کی تھی، خاکسار نویں سال میں ہی تھا کہ انہوں نے ہمیں شفقت مادر سے محروم کردیا، نو سال کا بچہ شعر وشاعری کیا جانے، لیکن اشعار صغر سنی سے ہی اس کے کانوں تک پہونچ رہے تھے اور کانوں کے راستے سے دل کے نہاں خانے میں۔ حتی کہ بستر کے تکیوں اور دسترخوانوں پر لکھے ہوئے اشعار بھی لاشعوری کے اسی دور میں یاد ہوگئے تھے۔ خاکسار سے بڑی تین بہنیں تھیں اور ایک بھائی، ان سے بھی اشعار سنتا رہتا، والد محترم حالاں کہ کوئی با قاعدہ شاعر نہیں لیکن اشعار سے ان کا تعلق بھی راز و نیاز کا ہی رہا ہے، کتنے ہی اشعار ہیں جو بندہ نے کہیں پڑھا اور نہ دیکھا مگر ان سے سن کر یاد ہوگئے ہیں، مثلاً دیکھیے یہ اشعار۔

وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا — عزت اسے ملی جو وطن سے نکل گیا
چکور اور شہباز سب اوج پر ہیں — فقط ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں

اور نفحۃ الیمن کے یہ اشعار۔

رایت الناس قد مالوا　　الی من عنده مال
ومن لا عندهٗ مال　　فعنه الناس قد مالوا
رایت الناس قد ذهبوا　　الیٰ من عنده ذهب
ومن لا عنده ذهب　　فعنه الناس قد ذهبوا

اسی طرح۔

عجب دردے ست اندر دل اگر گویم زباں سوزد　　اگر خاموش می مانم موادِ استخواں سوزد

یہ اور اس طرح کے کئی اشعار صرف انہیں سے سن کر محفوظ ہیں، والد صاحب کی ایک ادا تو بندہ کبھی نہیں بھولے گا، جیب میں پیسے نہیں ہیں، اچانک کہیں سے آ گئے، اتنے میں گھر کی کسی ضرورت کا اظہار کیا گیا تو پیسے نکالنے کے ساتھ ہی یہ برمحل مصرعہ بھی نکلا ع

آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے

نانا محترم کو بندہ نے اگر چہ کم ہی دیکھا مگر بیس بائیس کی سن میں دیکھا، والدہ کی شادی کر کے وہ پاکستان گئے تو بیس برس کے بعد ہندوستان لوٹے، حقیر اس وقت ڈھائی برس کا تھا، دوبارہ گئے تو پھر بیس سال کے بعد ہی آئے، اس وقت ساڑھے بائیس سال کی عمر تھی، دس بارہ دن قیام کے بعد پھر پاکستان گئے تو واپس نہ لوٹے، اس دوران ان سے ملاقات کے لئے خاکسار نے ہی پاکستان کا احرام باندھا، پوری کی پوری ننہال وہاں آباد تھی، ایک ماہ کے دوران ۹؍خالاؤں اور ۹؍ماموؤں کے پھیر سے وقت ملا ہی کتنا، پھر دیگر رشتہ داروں کی بہتات۔ نانا سے ملاقات کی فرصت کم ہی میسر آئی، لیکن اتنی کم ملاقاتوں میں بھی ان کے شعر پسندانہ ذوق سے طبیعت متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی، نامور شاعر ''مصحفی'' کا مجموعۂ کلام اول اول انہیں کے پاس پایا، خاکسار ہندوستان سے چلا تو ان کے تحفہ کے لئے خواجہ الطاف حسین حالی کا دیوان ہی بہتر انتخاب نظر آیا، جسے پا کر وہ بہت خوش تھے۔ ان کی زبان سے سنا ہوا ایک شعر تو اب تک تازہ ہے، ایک مجلس سے خطاب کے دوران انہوں نے

مناسب موقع پر فرمایا تھا۔

رات کو خوب پیا، صبح کو توبہ کر لی　　رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

نانا مرحوم کوئی ضابطہ کے شاعر نہ تھے مگر تک بندیاں اچھی کر لیتے تھے، مزاج کی ظرافت انہیں تک بند بنائے رکھتی، اس کے کچھ نمونے خاکسار نے اپنی کتاب ''اوراقِ مصور'' میں بھی دیئے ہیں۔

کچھ ہوش آیا تو نانا کے بھتیجے کو قوال ہی پایا۔ اس وقت شادی بیاہ کے موقع پر قوالی ضروری تھی، اس کے بغیر شادی کا تصور ادھورا ہی مانا جاتا تھا، گاؤں میں کہیں ایسی تقریب ہوتی تو یہ ماموں ہی پہلی پسند تھے، اتنی عمدہ آواز اور اتنا سریلا انداز کہ سامعین سر دھنتے، پھر اس پر طبلے کی تھاپ اور ساز و رباب ان کی قوالی کو کہاں سے کہاں پہونچا دیتی، دوطرفہ قوالی میں فتح کا پرچم بیشتر یہی لہراتے، والد صاحب کی جانب سے شدید قدغن تھی اور سخت نگرانی بھی، لیکن ان کی قوالی کا سحر تھا کہ کسی نہ کسی بہانے کھینچ ہی لاتا۔

دس گیارہ سال کی سن تک یہ دیوانگی رہی پھر کافور ہوگئی، ان کے سنائے ہوئے کئی اشعار اب تک نوک زبان ہیں، وہ ماموں اب کلکتہ میں مقیم ہیں اور یہ مشغلہ اب بھی جاری، مگر اس عمر کے بعد پھر ان کی قوالی سننے میں نہیں آئی، اولاً مولویت ہی اس کی اجازت نہ دیتی، پھر شدہ شدہ حالات نے ایسی کروٹ لی کہ شادیاں اس کے بغیر ہی انجام پانے لگیں، بدقسمتی سے اس کی جگہ اب فلمی گانوں نے لے رکھی ہے۔

یاد بخیر! قیامِ پاکستان کے دوران والدہ کے منجھلے بھائی ذوالقرنین ماموں کی اکلوتی صاحبزادی کو شعر و سخن کا وہ شغف کہ کراچی میں گزاری گئی اس سفر کی آخری رات تو گویا مشاعرہ ہی کے نام رہ گئی تھی، چار پانچ افراد کی موجودگی میں خاکسار اور ماموں زادی کے درمیان جو شعری مقابلہ ہوا تھا اس نے اس رات کو یادگار ہی بنا دیا، ماموں زادی قدیم و جدید شعراء کے کلام اس فراٹے سے پیش کرتی کہ ایک دم کو اپنی شکست یقینی نظر آنے لگتی، یہ دلچسپ سلسلہ تقریباً دو بجے شب تک جاری رہا، اس کو شعر فہمی کی وہ صلاحیت ملی تھی کہ اس

نے احمد فرازؔ جیسے بلند پایہ شاعر کے بعض کلام پر ان سے جرح بھی کیا تھا، صبح تقریباً آٹھ بجے کراچی اسٹیشن پہنچا تو بندہ کو آبدیدہ دیکھ کر بڑے ماموں شہزادہ نے پہلے تو سمجھایا، پھر اپنی کیفیت باطنی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

دو مصیبت سخت گزری مجھ پہ اے ہمدم نہ پوچھ   اک ترے آنے سے پہلے اک ترے جانے کے بعد

یہ تو ننیہال کا گھریلو ماحول تھا، خاکسار کی پیدائش اور پھر مستقل رہائش چوں کہ ننیہال (بلہا کمتول) میں ہی رہی ہے اس لئے اس کے اثرات فطری تھے۔ جہاں تک دادی ہال (ناصر گنج نستہ، دربھنگہ) کا معاملہ ہے تو اس کی بات اور ہی ہے، اس قریۂ مردم خیز بلفظ دیگر قریۃ الصالحین میں ہر ہر زمانے میں ایسے ایسے باکمال اہل علم رہے کہ اطراف واکناف ہی نہیں بلکہ دیگر صوبوں کے تشنگان علم نے بھی ان سے کسب فیض کیا، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ اسی گاؤں میں قائم ہوا، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ منور علی دربھنگوی بانی مدرسہ ہذا اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے۔ یہ ہمارے پڑدادا تھے، علم و عمل کے سنگم، بصیرت و معرفت کے کوہِ ہمالہ، حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانویؒ کے بے تکلف خواجہ تاش۔ لیکن واہ رے شان بے نیازی اور خاکساری کہ خود اپنے دیار میں بھی اپنی شہرت کو گوارہ نہ کیا اور اخفائے حال و افشائے علم کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گئے، ہمارے جدّ امجد کی فہرست میں ہی حضرت مولانا قاری محمد احسن صاحب ناصری کا شمار ہوتا ہے، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے معاصرین میں ہیں، ملاقات و مکاتبت اور رفاقت کا سلسلہ بھی ہے، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی سابق ممبر پارلیمنٹ وناظم جمعیۃ علما ہند کے استاذ بھی ہیں۔ فن تجوید وقرات کے امام زمانہ ہیں، زہد و تقویٰ میں ممتاز، لیکن زمانہ ان کا ناشناس، ان کے صاحبزادوں نے بھی اسی روش کو اختیار کیا، حضرت مولانا قاری محمد ابوعمر صاحب ناصری القاسمیؒ ماضی قریب کے ممتاز صاحب فکر و عمل، صاحب دل عالم دین، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ اور دیگر نامور علمائے

کبار کے ہم درس وہم زمانہ۔ بلا واسطہ ہزاروں شاگردوں کے استاد، مرشد اور مربّی۔ امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانیؒ، حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مجاز حضرت مولانا شاہ سراج احمد صاحب امروہویؒ اور ان جیسے دوسرے اکابر کے منظور نظر، لیکن ہٹو، بچو، شہرت و ناموری کے مواقع سے میلوں دور، تادم آخر قال اللہ وقال الرسول ﷺ سے قلب کو معمور کرتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔ حضرت مولانا قاری ابوظفر صاحب ناصری رحمانی جو بحمد اللہ اس وقت بقید حیات ہیں، معنوی طور پر خانوادۂ ناصری کے سرپرست ہیں۔ اپنے علم و فضل کے علاوہ ہزاروں شاگردوں اور متوسلین کی تعداد رکھتے ہوئے بھی اس طرح حیات مستعار کے شب وروز گزار رہے ہیں جیسے کوئی عام شخص کسی دیہات میں زندگی گزارتا ہے، اگر کوئی اجنبی آج ان کو دیکھے تو گمان نہیں ہوگا کہ وہ صاحب علم بھی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بہار جس طرح مردم خیز ہے مردم خور بھی ہے، پتہ نہیں یہ بات کس حد تک درست ہے مگر یہ درست ہے کہ بہار کے اکثر علماء نے اپنے فضل و کمال کے باوجود محض حقیقی تواضع، کسرِ نفسی کی بنیاد پر زمانہ کو اپنی شناسائی سے محروم رکھا۔ تاہم وہ من تواضع للّٰہ رفعہُ اللّٰہ کے مطابق ع

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

کے مصداق بن کر افقِ عالم پر چھائے رہے۔

ناصر گنج نستہ میں اگرچہ بندہ کے کسی بھی بھائی بہن کو بہ طور مقیم قیام کرنے کا موقع نہ مل سکا لیکن چونکہ بچوں میں فطری طور پر اسی کا رنگ غالب ہوتا ہے، اس لئے اس کا نقش بھی ان مٹ سا ہی رہا، یہاں بھی باضابطہ شاعر کا اگرچہ ایک گونہ فقدان ہی تھا لیکن ادق اردو زبان یہاں بھی رائج تھی اور وہ بھی تب سے جب سے اردو آئی تھی، دادا مرحوم مولانا عبدالرشید ناصریؒ گو رسمی عالم نہ تھے مگر بہترین خوش خط ہونے کے ساتھ عمدہ ادیب بھی تھے، شعر خوانی کے وہ بھی رسیا اور نغمہ و ترنم کے اسیر، ان کے پسندیدہ اشعار والد محترم سے کئی بار سننے کو ملے، اردو اتنا نستعلیق اور شستہ لکھتے کہ پڑھتے اور دیکھتے ہی بنتی، دادا کے

چار بھائیوں میں سے دو بھائی تو مستند عالم تھے، ان میں سے ایک مولانا مسعود احمد ناصریؒ ہیں اور دوسرے مولانا مفتی محمود احمد ناصریؒ۔ مؤخر الذکر کو تو امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی شاگردی کا شرف بھی حاصل ہے، مولانا مسعود مرحوم کے ایک صاحب زادے نے تو زبان وادب اور شعر وشاعری میں خاصہ نام بھی کمایا، یعنی عم محترم پروفیسر متین احمد صبا مظفر پوری۔ کئی ایک کتابیں ان کے خامۂ پر بہار سے نکلیں۔ فارسی پر ان کو ید طولیٰ حاصل تھا، ان کی کئی تصنیفات بہار کی اہم یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہیں، زبان وادب اور شعر و شاعری پر ان کی قدرت ومہارت کی وجہ سے ہی انہیں سابق صدر جمہوریہ آں جہانی شنکر دیال شرما کے ہاتھوں حکومت کی طرف سے ایوارڈ بھی ملا، ان کا یہ شعر تو شہرۂ خلائق ہے۔

بہارِ رفتہ کے ماتم سے کیا ملے گا صبا ☆ اٹھو کہ تازہ بہاروں کا اہتمام کریں

ان کا ادبی ذوق ان کے فرزندوں میں بھی منتقل ہوا، چنانچہ سید صباح الدین عبدالرحمن پر جو پہلی اور باضابطہ سوانحی کتاب آئی وہ انہیں کے فرزند محترم ''شہر یار قدسی'' کے قلم سے ہی ہے، بیٹوں کے ساتھ داماد بھی ان کے ذوق ادب سے مستفید ہوئے، مولانا رضوان القاسمی (حیدرآباد) کے بھائی جناب سلمان صاحب نے اپنے ادبی مذاق کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ڈاکٹر کلیم عاجز کی کتاب ''وہ جو شاعری کا سبب ہوا'' نفیس اور معیاری طور پر شائع کی، خانوادۂ ناصری کا یہ ذوق سخن اب بھی مائل بہ ترقی ہے۔

اس خانوادہ کے ایک اہم چشم و چراغ مولانا محمد شاہد ناصری الحنفی مدیر ماہنامہ حج میگزین، حج کمیٹی آف انڈیا ممبئی بھی شعر وشاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں، کئی ایک حمدیہ اور نعتیہ نظمیں، منظوم سفر نامے ان کے قلم سے نکل کر خراج تحسین وصول کر چکے ہیں، خاکسار کے بھانجے اور اس خانوادہ کے نوجوان فاضل مولانا زبیر احمد ناصری نہ صرف یہ کہ دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہیں بلکہ کشتی بانِ سخن میں ان کا بھی شمار ہے۔

اسد اللہ خاں غالب نے اپنا خاندانی پس منظر پیش کرتے ہوئے لکھا تھا۔

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری ☆ کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

خاکسار کا معاملہ بھی اس سلسلہ میں کچھ ایسا ہی ہے، اس کا خانوادہ علمی، دینی اور اصلاحی خدمات کے لئے ہمیشہ وقف رہا ہے، وہ بھی عہد قدیم سے۔

شعر وادب سے رشتہ ضرور محکم رہا، اس کا یہ نظریہ بھی ہے کہ ادب کا اصل سرمایہ شاعری ہی ہے، مگر ذریعۂ عزت اسے کبھی بھی نہ سمجھا گیا، خاندان کے بزرگوں کی طرح بندہ کا بھی اصل مشغلہ درس وتدریس ہی ہے، جس کے سبب ابتدائی سے نہائی تک کی کتابوں سے سابقے رہتے ہیں، شاعری جز وقتی دلچسپی ہے، ریلوے کا سفر ہے یا مطالعہ کے لئے کوئی کتاب دستیاب نہیں تو مشقِ سخن جاری ہو جاتی ہے، چستیِ ذہن اور نشاطِ طبع کے لئے اس سے اچھا کوئی اور مشغلہ نظر نہیں آتا، گاہ گاہ عالم اسلام کے حالات اور مسلمانوں کے خرافات دیکھ کر بے اختیار نظمیں نکل جاتی ہیں، صرف اسی رمضان میں گیارہ طویل نظمیں لکھیں، جن میں سے ایک ''ابجدی نظم'' بھی ہے، جو اردو شاعری کی تاریخ میں پہلی بار لکھی گئی ہے، بلکہ فارسی اور عربی کا دامن بھی شاید اس سے خالی ہی ہے، اردو کے حروف تہجی کو با ترتیب سامنے رکھ کر اسے تیار کیا گیا، حالاں کہ رمضان کے مقدس ماہ میں اتنی فرصت کہاں کہ خامہ فرسائیوں کے لئے کوئی گنجائش نکل سکے، لیکن دل کا درد رو کے نہ رک سکا اور الفاظ کا جامہ پہن کر ہی اس نے راحت کی سانس لی۔

شعر گنگنانے کی عادت خاکسار کو پانچ چھ کی سن سے ہی رہی ہے، بلکہ کہہ لیجئے کہ اور پہلے سے، والدہ مرحومہ، والد محترم اور بڑے بھائی بہنوں کی گنگناہٹ نے اسے بھی اسی راہ پر ڈال دیا تھا، لیکن شاعری کا دورہ سچ کہئے تو مدرسہ اسلامیہ شکر پور بھروارہ جا کر ہی پڑا، خاکسار عربی دوم میں تھا، درجۂ حفظ کے ایک طالب علم کے ساتھ اچھی خاصی رسم وراہ تھی، غیر درسی اوقات میں اسی کے ساتھ گزر اوقات کرتا، اس وقت ایک گلوکار کی گائی ہوئی اردو غزلیں ملک بھر میں کافی چلی ہوئی تھیں، تقریباً ہر زبان پر اس کے اشعار چڑھے ہوئے تھے، راہ چلتے ہوئے، گلیاں گزرتے ہوئے، بازار جاتے ہوئے اسی کے اشعار سنے جاتے، یہ ساتھی اس گلوکار سے متاثر تھا، اس کی کئی غزلیں اسے یاد ہو چکی تھیں۔ وہ انہیں گنگنایا کرتا اور

خاکسار سے کہتا کہ تم بھی ایسے ہی اشعار لکھا کرو، اس کی تحریک پر تک بندی شروع کردی، اس زمانے میں مدرسہ کا باورچی عجیب ہیئت کا تھا، آواز زنانہ، رفتار زنانہ، انداز زنانہ، غرض کہ مرد محض نام کو تھا، ورنہ اس کی ہر ادا مستورات والی تھی، ہمیشہ دوپٹہ اوڑھے رہتا، اپنے لئے مؤنث کے صیغے استعمال کرتا، کھانا خوش ذائقہ تو کیا بناتا، ایسا بھی نہ بناپاتا کہ طلبہ آسانی سے اتار سکیں، تاہم یہ طباخ ادارہ کا جزو اہم تھا، اس کے دور میں کتنے ہی طباخ آئے اور چلے گئے۔ مگر یہ ٹکا ہوا تھا، مشق سخن شروع کی تو پہلا ہدف اسی کو بنایا، مدرسہ کے ترانہ کی زمین اور بحر میں تنقیدی اشعار لکھ دیئے گئے جو اسے پڑھ پڑھ کر سنائے گئے، ہم ذوق طلبہ تک جب یہ اشعار پہونچے تو انہوں نے بھی وقت بے وقت پڑھنا شروع کردیا اور اس کے پاس جا جا کر۔ وہ بے چارہ کوفت ہو کر بار بار دھمکیاں دیتا کہ ناظم صاحب کو کہہ دوں گی، مگر قہرِ درویش بر جانِ درویش، کون سنتا؟ ساتھیوں میں ناچاقی ہوتی تو ''ہم خیال'' طلبہ آتے اور مخالفانہ اشعار کی فرمائش کرتے، بندہ تک بندیاں کردیتا۔ خوب ہوا چلتی، مصرعے دوہرائے جاتے، اشعار پڑھے جاتے، جب کہ بلند پروازی، نازک خیالی، ژرف نگاہی اور بالِ عنقاء پکڑنے کے فن سے ابھی پوری ناآشنائی تھی، حفظ کے اسی ساتھی نے کہا کہ اپنا کوئی شعری نام رکھ لو، بندہ تخلص سے واقف نہ تھا، اس کے سمجھانے پر اور اسی کی خواہش پر اپنا تخلص سرِ دست عنبر تجویز کرلیا، شاعری کی ابجد سے آگاہی تو تھی نہیں مگر وقت کی بوقلمونی دیکھئے کہ ایک عدد تخلص کا مالک بن چکا تھا، اب یہی تخلص عمر بھر کے لئے گویا چپک کر رہ گیا ہے۔

خیال آیا کہ جب اشعار کہنے کی بخیال خویش شُدبُد ہوگئی ہے تو حمدیں اور نعتیں ہی کیوں نہ لکھی جائیں، ان واہیات کا فائدہ ہی کیا ہے، اب نعتوں اور حمدوں کا دور شروع ہوا، ایک کاپی ان کیلئے مختص کرلی، حمدیں اور نعتیں وقتاً فوقتاً لکھتا رہتا، خود ہی اندازہ تھا کہ جب شاعری کسی سے سیکھی نہیں تو کیسی ہو رہی ہوگی، اوزان کی تقریباً گارنٹی تو تھی مگر معنی اور مفہوم کی گارنٹی قطعاً نہیں تھی، اوٹ پٹانگ کی شاعری سے ایک کاپی نصف کے قریب بھر گئی، ادھر

کسی نے ناظم صاحب کو اطلاع دیدی، ناظم یعنی حضرت قاری شبیر احمد صاحب مدظلہ۔ خاکسار نے حفظ قرآن کا دور ایک سال تک انہیں کے پاس کیا تھا، یہ مدرسہ دینیہ شوکت منزل غازی پور کی بات ہے، قاری صاحب ایک کہنہ مشق ادیب۔ غازی پور میں ایک سال کے دوران ان کی کئی تقریریں سنیں، اتنی بلیغ تقریریں کہ ہم طفلانِ مکتب کو عموماً ہوا ہی نہ لگتیں، شیریں زبانی کے ساتھ الفاظ پر قدرت اور مہارت اس وقت تو ہم جیسوں کے لئے حیرت ہی حیرت تھی، سمجھ میں آئے یا نہ آئے، بے حد متاثر تھا، دینیہ سے شکر پور آئے تو خاکسار بھی ساتھ ہی ساتھ شکر پور آگیا، یہاں آکر معلوم ہوا کہ حضرت شاعری بھی خوب کرلیتے ہیں، اسلامیہ کے حالیہ ترانے میں کئی مصرعے ان کے بھی ہیں، ان تک خبر پہونچی تو بزور کاپی منگوالی اور یہ کہہ کر رکھ لی کہ جب مشکوٰۃ میں جانا تو یہ مل جائے گی، ابھی یہ مشغلہ چھوڑ دو، ورنہ تعلیم میں خلل پڑے گا، کاپی کی تک بندیاں یقیناً ان کی نظر سے گزریں، خاکسار شرماتا اور اپنے آپ کو کوستا کہ ایسی شاعری کی ہی کیوں؟ استاذ پڑھیں گے تو نادانی پر ہنسیں گے، بچکانہ خیالات، بے پر کی باتیں، واہی تباہی تعبیرات پڑھ کر ہنسی نہ آئے تو کیا آئے، یقین ہے کہ وہ کاپی فضول شاعری کا کوڑا دان تھی، مولانا عبدالشکور قاسمی دربھنگوی ایک روز قاضی محلّہ بھروارہ میں واقع قاری صاحب کے دولت کدہ پر تشریف فرما تھے، قاری صاحب نے خاکسار کو کسی کام سے بلایا تھا، انہوں نے مولانا قاسمی سے خاکسار کا تعارف کراتے ہوئے ایک جملہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ موزوں طبع کا حامل ہے اور ٹھیک ٹھاک شاعری کرلیتا ہے، من آنم کہ من دانم، میں کیا اور میرا ذوق سخن کیا، ان کے اس ارشاد سے حوصلہ تو کیا ملتا، ندامت ہی ہوتی، پھر شاعری کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔ ہدایہ اور نور الانوار پڑھ کر ۱۹۹۵ء کے اواخر میں دیوبند آگیا، یہاں بھی جمود ہی طاری رہا، کبھی کبھی طبیعت پھڑکتی، مگر آتا جاتا خاک نہ تھا، لکھتا کہاں سے؟

اسی طرح کی ایک اور تائید دارالعلوم دیوبند میں بھی ہوئی، جس کی وضاحت یہ ہے کہ دارالعلوم میں طالب علمی کے دوران الوداعی ترانے لکھنے کی فرمائش بکثرت آتی رہتی

تھی ، دورۂ حدیث کے ترجمان اور درس کے ساتھی مولوی صادق مظفر نگری نے ایک قدیم ترانے میں دو چار اشعار کی تضمین کا مطالبہ رکھا ، بندہ نے لکھا تو اس نے استاذ محترم حضرت مولانا ریاست علی بجنوری کو دکھا دیا ، انہوں نے دیکھ کر صاد کر دیا اور فرمایا کہ اس ترانے پر میں بھی تضمین کر رہا ہوں ، بعد میں لے لینا ، مولوی صادق دوبارہ پہنچے تو انہوں نے دونوں اضافے یہ کہہ کر تھما دیئے کہ دونوں بہترین ہیں ، ان میں سے جس کا چاہو انتخاب کرلو ، دیکھا گیا تو ٹھیک ملتے جلتے ہی مصرعے تھے اور معانی و مفاہیم بھی تقریباً وہی ، ترجیح تیمناً حضرت کے اضافے کو ہی دی گئی ، قدیم ترانہ انہیں کے قلم سے تھا ، اس وجہ سے بھی مناسب یہ تھا کہ انہیں کی تضمین راہ پائے۔

دارالعلوم دیوبند پہنچا تو عربی ششم میں داخلہ ہوا ، اس وقت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی ملک بھر میں طوطی بولتی تھی ، ان کے علم و فضل کا شہرہ اس سرے سے اس سرے تک تھا ، قیام چھتہ مسجد میں تھا ، وہی قیام گاہ کسی دور میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی بھی تھی ، مفتی صاحب کی موجودگی سے چھتہ مسجد خانقاہ کا روپ لے چکی تھی ، ہو حق کی مجلسیں ، وعظ و ارشاد کی محفلیں روز ہی جمتیں ، بندہ ان کی بزم عرفاں میں باریاب ہوتا رہا ، ان کے دم سے دارالعلوم میں اضافی چہل پہل تھی ، دور دراز سے لوگ ان کی زیارت کے لئے آتے ، شش ماہی امتحان کے بعد عقیدت مند انہیں افریقہ لے اڑے اور قضا انہیں وہیں سے اپنے ساتھ لے گئی ، یہ دارالعلوم میں خاکسار کا پہلا سال تھا ، وفات کی خبر آئی تو اندوہ ناکیوں کا سیل بے پناہ ساحل دماغ سے ٹکرانے لگا ، اسی غم میں بے اختیار ایک مرثیہ لکھنے کو جی چاہا ، چنانچہ لکھا اور دربھنگہ ، مدھوبنی ، سمستی پور کے متحدہ مشقی پلیٹ فارم انجمن تہذیب الافکار کے ماہانہ ترجمان ''افکار'' میں اشاعت کے لئے دے دیا ، یہ دارالعلوم دیوبند میں پہلی باضابطہ شاعری تھی ، ذوق سخن چل پڑا تو پھر اس کے بعد پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ جو بھی بڑی شخصیت گزرتی ، ایک عدد مرثیہ تیار ہو جاتا ، قیام دارالعلوم کے دوران ہی مولانا منظور نعمانیؒ ، مولانا قاری صدیق باندویؒ ، مولانا محمد عمر پالن پوریؒ اور مولانا عبدالرحمن

امیر شریعت خامسؒ پر مرثیے لکھے ، شاعری کا جنون یہاں کچھ ایسا سوار ہوا کہ پھر اسی ادھیڑ بن زیادہ وقت گزرنے لگا ، کئی ایک غزلیں اس دور میں نکلیں جو دارالعلوم کے جداری پرچوں سمیت مختلف ادبی رسالوں میں چھپیں ، ایک غزل کا یہ شعر تو اتنا مشہور ہوا کہ طلبہ مزہ لے لے کر گنگنایا کرتے ، وہ شعر یہ ہے ؎

انہیں حلوہ کھلا کے تو بھی عنؔبر دام میں لے آ ☆ سنا ہے ایک چائے میں ہی سب کی مان جاتا ہے

دماغ اتنا چلتا کہ ہر دوسرے تیسرے دن ایک غزل تیار ہو جاتی ، پھر تو عالم یہ ہوا کہ ضرورت مند ادھر کا رخ کرنے لگے ، کوئی سہرے کی فرمائش کرتا ، کوئی ترانہ کی درخواست ، وقت کا ناقدرا تو تھا ہی ، اس کا خون بہا کر درخواست کرنے والوں کو خوش کرتا رہا ، لاتعداد سہرے اور ترانے لکھے مگر انہیں جمع کرنے کا کبھی اہتمام نہیں رہا ، پھر جو دستیاب ہوا اسے قصداً القط کر دیا۔

جب شاعری شروع کی تو قدرۃً مجموعہ ہائے کلام کی خرید تیز ہوگئی ، خوب یاد ہے کہ خریدی گئی ادبی کتابوں میں سب سے پہلی کتاب ''دیوان غالب'' تھی ، اردو ابھی ٹھوس نہ تھی ، دیوان غالب کہاں سے پلّے پڑتی ، تاہم اس کے بہت سے اشعار قدرے آسان بھی تھے ، انہیں کو پڑھ کر اپنی شاعری کو پروان چڑھاتا رہا ، خیال آیا کہ ادھوری کتاب سے استفادہ بھی ادھورا ہی رہتا ہے تو کیوں نہ اس کی شرح بھی خرید لی جائے ، چنانچہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی لکھی ہوئی شرح ہاتھ لگ گئی ، اس کی ایک ایک سطر کا بغور مطالعہ کرتا ، اب پورا دیوان آسان ہونے لگا ، اس کے آدھے سے زیادہ اشعار زبان پر چڑھ گئے ، پھر تو عالم یہ تھا کہ یاروں ، دوستوں کی محفل میں کوئی گفتگو چھڑتی تو برمحل ''غالب'' کے اشعار اور مصرعے نکلتے رہتے ، غالب خاکسار کے اعصاب پر اس درجہ حاوی تھے کہ اس دور کی شاعری زبان و بیان اور لب و لہجہ میں انہیں سے متاثر رہتی۔ سہل گوئی چاہ کر بھی اپنے بس سے باہر تھی۔ دیوان غالب کے بعد ''کلیات اقبال'' خریدی گئی ، کلیات کی تعبیرات مشکل سہی لیکن دیوان غالب کے فہم کے بعد کچھ مشکل نہیں رہ گئی تھیں ، اس کے بھی لاتعداد اشعار

از بر ہو گئے تھے، پھر تو ''دواوین'' کی خرید کا ایک سلسلہ ہی رہا، کلام مجذوب، دیوان حالی،
کلیات جگر، کلیات ظفر، کلیات میر جھٹ پٹ میں خریدی اور پڑھ لی گئیں، فارسی خاکسار
نے عربی اول تک پڑھی تھی، جس میں گلستاں، بوستاں، گلزار دبستاں اور مالا بدمنہ جیسی
کتابیں شامل تھیں، یہ ساری کتابیں سمجھ کر ہی پڑھی گئی تھیں لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ
زبان فارسی ابھی آئی نہ تھی، شعر گوئی کے نئے مشغلے نے جکڑا اور کلیات کا مطالعہ کیا گیا تو اب
فارسی بھی آنے لگی، بندہ کو فارسی جو کچھ بھی آتی ہے، زیادہ تر شاعری کا ہی فیض ہے۔

غم بسیار اور اندوہ مسلسل باذوق آدمی کو شاعر بنا دیتا ہے، یہ کچھ ''ناکام محبت'' میں
ہی منحصر نہیں، خاکسار کی داستان بھی کچھ ایسی ہی ہے، پیدا ہوا تو ننہیال کل کا کل پاکستان
میں آباد تھا، دادا دادی بھی دار آخرت کے راہی، عمر ۹ر برس میں داخل ہوئی تو والدہ کا سایہ
بھی سر سے اٹھ گیا، بچہ جو ننہیال اور دادی ہال کی محبتیں پاتا ہے خود کو بڑا سعید مانتا ہے اور
ماننا بھی چاہیے، یہاں عالم یہ تھا کہ نانا، نانی، ماموں اور خالہ کی پوری ایک پلٹن تھی، نانا کے
۹ر بیٹے اور ۱۰ر بیٹیاں تھیں، والدہ مرحومہ کے علاوہ سبھی بقید حیات ہیں، ان میں سے کسی کی
بھی شفقت میسر نہ آسکی، ملاقاتیں ان سے ضرور ہوئیں مگر اس وقت جب عمر ۲۴ر پار کر چکی
تھی، اس عمر میں محبتوں میں وہ خنکیاں کہاں جو بچپن میں ہوتی ہیں۔ عید ہر سال آتی ہے،
نئے جوڑے، نئی چپلیں اور نئی ٹوپیاں آج بھی پہنی جاتی ہیں لیکن عہد طفولیت سی لذت
کہاں، اس دنیا میں والدہ کا سایہ سب سے بڑا مانا گیا ہے، قرآن وحدیث نے تو اس کے
سایہ کو ہمایوں ہی بنا دیا ہے۔ بچپن کا کچھ حصہ اس میں گزرا ضرور۔ مگر ادھورا ہی رہا، بندہ
جس حال میں اس وقت ہے والدہ دیکھتیں تو ان کی شفقتوں کا ٹھکانہ خدا جانے کہاں ہوتا،
ان کے حادثۂ وفات کے بعد مزید اندوہ ناک حادثوں سے دوچار ہونا پڑا، کتنی ہی قیامتیں
سر سے گزریں، چچا کا انتقال، بھانجی کے شوہر کا وصال، بھانجہ کا سانحۂ وفات اور پھر حقیقی
بہن کا غم ناک ارتحال۔ لیکن والدہ کی وفات نے جو زخم دیئے تھے وہ اب بھی کل کی طرح
ہرے اور تازہ ہیں، ان کی یاد آتی ہے یا ذکر خیر چلتا ہے تو خود کو روکنا مشکل ہو جاتا ہے،

دوسروں کو صبر کی تلقین کرنے والا خود یہ سبق بھول جاتا ہے کہ آخر کار ہر ایک کو ایک دن جانا
ہے، یہ سارے غم تھے جن کی تازگی رونے پر آمادہ کرتی اور آنسو اشعار کی شکل میں جاری
ہو جاتے، اب کچھ اور بھی غم ان سابق غموں کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں، یہ غم دوراں ہے،
عالم اسلام کی پسپائی، مسلمانوں کی پامالی، مساجد اور اسلامی شعائر کی بے حرمتی اور اہل ایمان
کی مسلسل غفلت نے ہنسنے کے مواقع کم ہی دیئے ہیں، خاکسار کو ادبی اعتبار سے غالب اور
میر زیادہ پسند ہیں، لیکن اسلامی تیقظ اور دینی فکر کے لحاظ سے علامہ اقبال، اسی لئے اگرچہ
غزلیں زیادہ لکھیں مگر بعد کو جب بھی قلم اٹھا بیشتر نظموں کے لئے ہی اٹھا، نظموں کو بعد کی ہی
پیداوار سمجھئے۔

۱۹۹۸ء کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت ہوئی تو چند ماہ کے لئے قلم
رک سا گیا، مضمون نگاری کے ساتھ شاعری بھی موقوف ہو گئی، جولائی ۱۹۹۹ء میں دارالعلوم
عزیزیہ میرا روڈ (ممبئی) میں مدرس ہوا تو اخبارات پڑھ کر لکھنے کا جذبہ پھر جاگا، پہلے مراسلہ،
پھر مضمون۔ سب سے پہلا مضمون جو کسی اردو اخبار میں چھپا اس کا عنوان تھا ''عالم اور جاہل
''، یہ مضمون مدرسہ کے ایک جاہل ٹرسٹی کی اساتذہ اور طلبہ پر بے جا سختیوں کے پس منظر میں
لکھا گیا تھا، اردو ٹائمز نے بڑے اہتمام سے اسے شائع کیا، حوصلہ بڑھا تو مضامین پر
خصوصی توجہ دی گئی، دو سال اردو ٹائمز کے ادارتی کالم میں تحریریں چھپتی رہیں، مسلمانوں کی
حالت زار آنکھوں کے سامنے تھی، کوشش ایسی رہی کہ ہر مضمون کے ساتھ ایک نظم بھی بھیجی
جائے، چنانچہ وہ بھی ارسال کی جاتی رہی اور جمعہ جمعہ شائع ہوتی رہی، اسی دوران انقلاب
کے مدیر جناب شاہد لطیف صاحب سے رابطہ ہوا تو انقلاب میں بھی ''خاص مضمون'' کالم
میں مضامین چھپتے رہے اور ساتھ ہی جمعہ جمعہ نظمیں بھی، اس طرح مضمون نگاری کے ساتھ
شاعری کا زور پکڑتا رہا، مدرسہ کے ایک ساتھی سے جب صبحدم ملاقات ہوتی تو پوچھ بیٹھتے
کہ تازہ کلام آیا ہے کیا؟ اگر آیا ہوتا (اور عموماً آ ہی جاتا) تو بغور سنتے اور جو اشعار انہیں پسند
آتے، نوٹ کر لیتے اور لطف لے لے کر پڑھتے، یہ مولانا حشیم الدین تھے، ندوہ کے فارغ

التحصیل اور ۱۵؍ بیس سال پرانے فاضل۔ مدرسہ کی مدرسی کے ساتھ ایک مسجد جامع میں امامت بھی کرتے، خطابت کے دوران موقع محل سے نوٹ کئے ہوئے اشعار میں سے پڑھا کرتے، یہ مولانا یوں تو بہار کے چمپارن کے تھے، مگر زیادہ قیام پردیس میں ہی تھا، یہ پردیس پڑگھا تھا، خاکسار اس گاؤں سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ایک مدرسہ میں پڑھاتا تھا، یہ بھی وہیں کے استاذ تھے۔

پڑگھا، بھیونڈی سے آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر شمال میں ایک قصبہ ہے۔ میرا روڈ اور پڑگھا کے قیام کے دوران لکھے گئے اشعار کا ایک بڑا ذخیرہ تیار ہو گیا، اتنا ہی بڑا ذخیرہ قیام دارالعلوم میں بھی جمع ہو چکا تھا، مدرسی کے لئے احمد آباد اور پھر وہاں سے دیوبند آیا تو دیکھا کہ کافی اشعار جمع ہو چکے ہیں، انہیں کمپوز کرا کر صاف کر لینا چاہئے۔ چنانچہ کمپوزنگ کرائی گئی اور تیار شدہ مواد کو حفاظت خانہ میں ڈال دیا گیا، بعضوں نے اشاعت کے لئے کہا تو دل آمادہ نہ ہوا، مجموعۂ کلام کا جو حال ہوتا رہا ہے وہ خاکسار کے سامنے تھا، اشعار سے اب لوگوں کو دلچسپی کہاں، مشاعرے ضرور منعقد ہوتے ہیں، اشعار بھی پڑھے جاتے ہیں، مگر پچھلی سی باتیں کہاں، قدیم روایتوں کو جس طرح ان مشاعروں میں مسترد کر دیا گیا ہے، اس سے ہمت اور ٹوٹ جاتی، لوگ کہتے ہیں کہ مشاعروں سے ادب پھیلا ہے، زبان مضبوط ہوئی ہے، اس کا دائرہ مزید پھیلا ہے، اس خیال میں دم تو ہے مگر یہ اس دور کی بات ہے جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے، جہاں تک موجودہ مشاعروں کا حال ہے تو واقعہ یہ ہے کہ مشاعرے گلیمر ہی کی ایک نئی شکل بن چکے ہیں، یہ اسی وقت کامرانی کے زینے طے کرتے ہیں جب ان میں حسن کی جلوہ فرمائیاں بھی ہوں، گھنی زلفوں کا اظہار اور موٹے میک اپ بھی ہوں، جسم کی نمائش بھی بے شرمی کے ساتھ ہو رہی ہو، پھر اشعار اتنے فحش کہ جوان اپنے شباب کی بربادی پر اتر آئیں۔ گویا فلمی دنیا ہے جہاں اداکار کے ساتھ اداکارہ کا ہونا بھی ازحد ضروری ہے اور وہ بھی ایسی اداکارہ جو جمال کے ساتھ شوخ ادائیں بھی رکھتی ہو، مشاعروں میں ذوق ادب کی تعمیر عنقا ہو کر رہ گئی، شعر و سخن کے نام پر اب جو محفلیں منعقد ہو

رہی ہیں ان میں ''تعمیر ادب'' کم اور ''تفریح نظر'' زیادہ منظور ہوتی ہے، احقر نے یہی کچھ دیکھ کر کہا تھا۔

ہماری بزم ادب میں شریک ہیں جتنے ☆ فقط جمال کے شیدا ہیں فکر و فن کے نہیں

عمدہ اشعار ندارد، ناظرین کی واہ واہی لوٹنے کے لئے ان کا معیار اتنا سطحی کر دیا گیا کہ اب ''غالب'' اور ''اقبال'' کی شاعری انہیں پڑھ کر سنایئے تو محسوس ہوگا کہ بھینس کے آگے بین بجانے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے، یہ مناظر آنکھوں کے سامنے تھے، اس لئے اسے شائع کرنے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوا۔

جب بات مشاعرے کی آ گئی تو یہ بھی عرض کر دیا جائے کہ خاکسار کی بھی ایک زمانہ تک مشاعرے میں شرکت ہوتی رہی ہے، کئی ایک مشاعروں میں بطور سامع شریک بھی ہوا، ایسا ہی ایک مشاعرہ ممبئی کے صابو صدیق میں منعقد ہوا تھا، اس میں ملک کے تین اہم اور چوٹی کے شعراء بھی موجود تھے، علی سردار جعفری، کالی داس گپتا رضا اور مجروح سلطان پوری، تینوں کے کلام ان کی زبانی اسی مشاعرے میں سنے۔ لیکن بطور شاعر کسی بھی مشاعرے کا حصہ نہیں بنا، ایک تو یہ کہ سرتال ندارد، خوش آوازی مفقود، پھر داد کا سوالی بننے کے گر سے ناآشنائی، ان سب پہ مستزاد مولویت اور مولویانہ حلیہ۔ اور اب نئی وبا جمال ہوش ربا کی آمیزش سے معمور ادب والوں کی رنگارنگ بزم آرائیاں، اس لئے بہ طور شاعر مشاعروں سے گریز پائی ہی رہی، البتہ ایک موقع پر ممبئی میں قیام کے دوران ایک شعری نشست میں احقر نے ضرور حصہ لیا، اس واقعہ کو بھی اب دس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، وہ دن ہے اور آج کا دن، کسی شعری مجلس میں بھی شرکت نہیں رہی، یہ ضرور ہے کہ اردو کی خدمت نثر اور نظم دونوں طریقوں پر اب بھی برابر ہو رہی ہے، دوستوں میں سننے سنانے کا بھی ماحول ہے اور ایک دوسرے کی تنقید کا بھی۔

مجموعہ کی کمپوزنگ ہوئی تو خیال آیا کہ وقت کے جلیل القدر ادیب و شاعر محترم ''تابش مہدی'' صاحب کی نظر سے اسے گزار دیا جائے، ان سے وقت لے کر دہلی گیا،

بڑے خوش ہوئے، دو تین ہفتے کا وقت لے کر انہوں نے مسودہ رکھ لیا، موعود وقت پر پہونچا تو دیکھا کہ پورے مسودے کی اچھی خاصی پروف ریڈنگ ہو چکی ہے، بہت سے مواقع پر الفاظ بدل دیئے گئے تھے۔ کہیں کہیں مصرعے بھی تبدیل کر دیے گئے تھے، گویا انہوں نے صرف سرسری نہیں، باقاعدہ پڑھا اور ایک ایک حرف تنقیدی نظر سے دیکھا تھا، پھر اپنی ایک تحریر بھی دی جس کو بندہ نے کتاب میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ان کی اس حوصلہ افزائی سے دل بڑھا، ارادہ پختہ ہوا اور یہ طیکر بیٹھا کہ اب اسے پریس کے حوالے کر دیا جائے، مگر نہ جانے کیا بات ہوئی کہ ایک نئی مصیبت آن پڑی، کمپیوٹر آپریٹر نے تابش مہدی صاحب کی وہ تحریر ہی گم کر دی، تلاش بسیار کے باوجود بھی نہ مل سکی، بڑا قلق ہوا، سوچا کہ اس مجموعہ کو مستند اور معیاری بنانے میں ان کا اہم رول ہے اور انہیں کا تبصرہ نہ رہے گا تو مزہ ہی کیا رہے گا ۔لیکن افسوس کہ تعلیم و تعلم کی مصروفیات اور کچھ دوسرے اسباب وعوامل کی بنیاد پر بندہ دہلی جا کر دربارِ تابش میں گم شدگی کا سانحہ گوش گزار کر کے دوبارہ تبصرہ کی تحریر حاصل کرنے کی درخواست نہ کر سکا، تاہم دل کی گہرائیوں سے ان کی عنایات و توجہات کا خاکسار بے حد شکر گزار ہے۔ **فجزاہ اللہ خیر الجزاء.**

کمپوز شدہ مجموعہ چار پانچ برسوں تک یوں ہی پڑا رہا، اس دوران کئی اہم لوگوں کی نظر سے بھی اسے گزارا گیا، خوش بختی سے سب نے اسے سراہا، اب سب سے بڑا یہ سوال کھڑا ہوا کہ اسے چھاپے گا کون؟ کیوں کہ خاکسار ایک بار اسی عنوان سے ایک خوب صورت فریب کھا چکا تھا، یہ ممبئی کی بات ہے، ایک صاحب جو کسی قدر ہم عمر تھے، ہفتہ میں ایک چکر ضرور لگا لیا کرتے، نہایت زیرک، بے حد چرب زبان، محسوس ہوتا کہ فدوی کی محبت میں مرے جا رہے ہیں، خود کو روزنامہ ہندوستان (ممبئی) کا نمائندہ بتاتے، پریس کارڈ دیکھ کر بھی یقین ہوتا کہ صحافت سے جڑے ہوئے ہیں، ایک آدھ مرتبہ یہ درخواست بھی کرنے لگے کہ اپنی کوئی صاف وشفاف تصویر دیجئے، آپ کا انٹرویو لینا ہے، یہ گویا جیب پر قینچی چلانے کی ایک پُر فریب تمہید تھی، جس کا علم احقر کو بعد میں ہوا۔ ان کی درخواست پر

ایک عدد تصویر ان کے اشارے پر اس طرح کھنچوائی گئی کہ گویا کوئی بڑی علمی شخصیت مصروف مطالعہ ہے، انٹرویو بھی دے دیا تھا، استفسار پر معلوم ہوا کہ تین چار دنوں میں روزنامہ ہندوستان میں چھپ جائے گا، خاکسار نیا نیا فارغ تھا شہرت کی طلب اور للک تو اس سن میں ہوتی ہی ہے، چناں کہ افتدودانی۔ اسی دوران باتوں باتوں میں بات شاعری تک پہونچ گئی ، انہیں جب پتہ چلا کہ بندہ اس کوچہ سے بھی آشنائی رکھتا ہے تو انہوں نے دیکھنے کے لئے بہ لجاجت مطالبہ رکھ دیا، جو کچھ دارالعلوم کے زمانے میں کہا تھا خاکسار نے انہیں دکھا دیا، دیکھ کر انہوں نے اصرار کر دیا کہ آپ یہ کلام مجھے دیدیں، میں چھپا دوں گا، انہوں نے یہ فرمائش کچھ اس سُر میں کی کہ مجال انکار نہ رہی، صاف کروا کر ایک دو دن میں مسودہ دے دیا، کہنے لگے کہ اس کی طباعت میں اخراجات بہت آئیں گے۔ کم از کم آپ اپنی جیب خاص سے ایک ہزار روپے تو دیدیں، خاکسار نے دیدیا، وہ صاحب انٹرویو اور مسودہ لے کر جو غائب ہوئے تو ایک عرصہ تک بالکل نظر ہی نہ آئے، ایک آدھ بار ٹکرائے تو خوب صورت بہانہ بنا کر اپنی جان بچا گئے، یہ ۱۹۹۹ء کی بات ہے، اس وقت حقیر کی تنخواہ ۱۷۰۰ روپے تھی ، ایک ہزار روپے بھی اس وقت بڑا معنی رکھتے تھے، ان کا غم تو خیر کچھ دن کے بعد ہی غلط ہو گیا مگر اس مسودہ کے کھونے کا اب تک ملال ہے، آیا تو کچھ بھی نہیں، البتہ فوٹو بھی گیا اور انٹرویو بھی، الفیہ بھی گیا اور مسودہ بھی، اب بھی کبھار ان صاحب پر نظر پڑ تو جاتی ہے مگر طبعی شرافت تو دیکھئے کہ بات حال چال پوچھنے سے آگے نہیں بڑھ پاتی۔

اب جبکہ مجموعہ طباعت کی دہلیز پر آیا تو وہی سوال پھر کھڑا ہو گیا، اس سلسلے میں عم محترم حضرت مولانا محمد شاہد ناصری الحنفی سے رابطہ کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اللہ پاک مسبب الاسباب ہے، طباعت کا نظم کر دے گا تم مجموعۂ کلام کی ترتیب وتہذیب کا کام شروع کر دو، چنانچہ توکلا علی اللہ ان کے حکم پر میں نے ترتیب وتہذیب کا کام مکمل کرنے کے بعد ان کی خدمت میں بھیج دیا۔ اس مجموعہ پر انہوں نے نظر ڈالی اور بعض مفید مشورے دیئے، ایک مشورہ یہ بھی دیا کہ اس پر حضرت مولانا ابوظفر حسان ندوی مدظلہ' کا مقدمہ بھی ہونا

چاہیے، مولانا ندوی مدظلہٗ کے ان سے رازدارانہ مراسم ہیں، ایک دوسرے کے مشورے کے بغیر کوئی بھی قدم نہیں بڑھاتے، خاکسار سے بڑی محبت رکھتے ہیں، قیام ممبئی کے دوران اخبارات میں مضامین چھپتے، حمدیں اور نظمیں شائع ہوتیں تو عم مکرم سے حوصلہ افزائی کے کلمات کہتے اور یہ اصرار بھی رکھتے کہ فضیل سے کہیں کہ وہ نثر و نظم میں سے کسی کو نہ چھوڑے، خود بہترین خطیب، شاندار انشاپرداز، زبان وادب کے ماہر شناور، عربی اور اردو دونوں پر یکساں عبور، دیکھنے میں سادہ مگر علم وفضل اور ذوق ادب اس کمال کا کہ بڑے بڑے سورماؤں نے قامت وقیمت دونوں میں ان کے سامنے کہتر ہی تسلیم کیا، عم مکرم کا یہ مشورہ دل کے قریب تھا، انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ان سے لکھوانا بندہ کی ذمہ داری ہے، تم اس مجموعہ پر مزید نظر ڈالنا چاہو تو ڈال لو، خاکسار نے ان کا مشورہ سر آنکھوں پر لے لیا۔

کوئی کتاب تیار ہو تو ایک اہم مرحلہ تسمیہ کا ہوتا ہے، اس مجموعہ کے لئے کئی نام ذہن میں آئے، سب سے پہلے صدائے شکست دل، پھر، ترے حسن نمایاں سا، پھر کچھ اور نام بھی سطح تخیل میں ابھرے، اس سلسلے میں خیال آیا کہ کیوں نہ حضرت مولانا ابوظفر حسان ندوی مدظلہٗ سے ہی دریافت کرلیا جائے، چنانچہ رابطہ کیا تو انہوں نے پوچھا کہ تخلص کیا ہے؟ بتانے پر انہوں نے برجستہ فرمایا، حدیث عنبر، نام سن کر طبیعت مست ہوگئی کہ بالکل ذومعنی ہے، اہل علم پڑھیں گے تو ان کا ذہن اس حدیث کی طرف منتقل ہوگا جس میں آیا ہے کہ ایک سفر کے دوران صحابہؓ نے سمندر کے کنارے بڑے ڈیل ڈول کی مچھلی دیکھی تھی اور زادسفر نہ ہونے کی وجہ سے پندرہ سولہ دن اسی کو اپنی غذا بنایا تھا، بعد میں صحابہؓ نے حضور علیہ السلام کو بتایا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ عنبر تھی، اگر اس میں سے کچھ بچا ہو تو مجھے بھی کھلاؤ (مشکوٰۃ) اس لئے اس روایت کا نام ہی ''حدیث عنبر'' ہوگیا، ادبا پڑھیں گے تو عنبر کا معنی خوشبو دیکھ کر کتاب کے نام سے خوش ہوں گے، اکثر احباب نے اس نام کو بہت پسند کیا، مجھے بھی یہ نام بہت پسند آیا، چنانچہ خاکسار اپنے اس مجموعۂ کلام کو ''حدیث عنبر'' کے نام سے موسوم کرتے ہوئے طمانیت قلب محسوس کررہا ہے۔

انسان کی فطرت یہ ہے کہ علم کوئی بھی ہو کسی نہ کسی سے سیکھ کر ہی حاصل کرتا ہے، البتہ کبھی کبھار بغیر استاد کے بھی کوئی علم ہاتھ آجاتا ہے۔ خوشخطی، مضمون نویسی اور تقریر وخطابت حاصل کرنے میں اگرچہ اساتذہ کا پورا کردار نہیں رہا ہے تاہم کچھ نہ کچھ رہا ضرور ہے، لیکن شعروشاعری میں حق یہ ہے کہ اس کا کوئی بھی استاذ نہیں ہے، احمد آباد (گجرات) میں قیام کے دوران خاکسار نے ایک نظم بہ عنوان ''ہوگیا اسلام ہندوستان میں زنار پوش'' کہی تھی اور ایک خط لکھ کر بذریعہ ڈاک عصر حاضر کے میر تقی میر جناب ''ڈاکٹر کلیم عاجز'' کی خدمت میں بغرض اصلاح بھیج دی تھی، وہ نظم اصلاح ہوکر واپس آئی تو دیکھا کہ دو مصرعے انہوں نے بدل دیئے ہیں اور ایک آدھ جگہ لفظ بھی، ساتھ ہی حاشیہ پر ان کی ایک تحریر بھی تھی جس میں خاکسار کی نظم کو کافی سراہا تھا اور لکھا تھا کہ اقبال سے زیادہ متاثر معلوم ہوتے ہو، وہ خط سر دست مل نہیں رہا ہے، بہرحال اس بنیاد پر اگر خاکسار شعروشاعری میں کسی کا شاگرد ہے تو بلا ریب وتردد کلیم عاجز کا ہی ہے، انہوں نے پورے مجموعہ پر نظر ڈالنے کا وعدہ بھی کیا تھا لیکن ان کی خواہش تھی کہ دو تین کلام کرکے دیکھا کروں گا اور اس طرح سال بھر میں پورا دیکھ لوں گا مگر طبیعت اتنی تاخیر پر آمادہ نہ ہوئی، اس لئے یہ آرزو حسرت میں بدل گئی۔ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

احقر کے لئے اطمینان کی بات یہ ہے کہ شاعری میں کوئی باقاعدہ استاذ نہ ہونے کے باوجود کسی نے بھی قافیہ اور ردیف وغیرہ پر اعتراض نہیں کیا، اوزان وبحور کی پابندی کی بھی باذوق حضرات نے ستائش کی، رہا مضامین اور طرز استدلال پر اشکال تو اس کی گنجائش جب اساتذہ کے کلام میں بھی رہی ہے تو حقیر کی حیثیت ہی کیا، جیسا کہ پچھلی سطور میں عرض کیا جاچکا ہے کہ باقاعدہ شاعری دارالعلوم سے شروع کی ہے اس لئے خاکسار نے مناسب سمجھا کہ ہر دور کا کلام شامل کیا جائے، چنانچہ سترہ سالہ دورانیے کے کلام شریک اشاعت ہیں، یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ کل کا کل نہیں ہے بلکہ انتخاب ہے، جو بہتر سمجھ میں آیا اسے شریک کرلیا گیا، سہرے، ترانے، اور دیگر بہت سے اشعار جن کی تعداد ہزاروں

سے متجاوز ہیں۔ اس مجموعہ میں انہیں جگہ نہیں دی گئی ہے، بیش تر تو محفوظ بھی نہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ اس میں کوئی خامی نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں، محض خدمتِ حق اور خدمتِ اردو کے پیشِ نظر منظر عام پر لایا جارہا ہے، صلہ اور ستائش کی تمنا پال کر نہیں۔

اس موقع پر احقر عمِّ گرامی حضرت مولانا محمد شاہد ناصری الحنفی کا بے حد شکر گزار ہے کہ اُن کی خرد نوازی اور حوصلہ افزائی ہی نہیں بلکہ مکمل توجہ کی وجہ سے ہی یہ مجموعہ منظر عام پر آرہا ہے۔ اسی طرح حضرت ندوی مدظلہٗ کا بے پایاں احسان مند ہے جنہوں نے کرم فرمائیوں کی انتہا کرتے ہوئے بیش قیمت مقدمہ تحریر کیا اور وہ بھی رمضان کی مقدس ساعتوں میں اور اس کے ساتھ ہی عمرہ کے لئے قیامِ حرم کے دوران۔ ان اوصاف نے مقدمہ کو جس قدر کیف آگیں اور سہ آتشہ بنا دیا ہے اسے لفظوں کا پیکر عطا نہیں کیا جاسکتا۔ بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر حفید الانور حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہٗ رئیس جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا احقر شکر گزار نہ ہو جنہوں نے اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود بے بہا تحریر عنایت فرمائی، جو اس مجموعہ کے لئے بلاشبہ مایۂ افتخار ہے، راقم ان تمام حضرات کا بھی شکر گزار ہے جنہوں نے اس مجموعہ کی تیاری میں اپنا دستِ تعاون بڑھایا، خداوند قدوس ہی انہیں اپنی شایانِ شان اجر جزیل عطا فرمائے۔

فضیل احمد عنبر ناصری

۵؍رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ

مطابق ۱۵؍جولائی ۲۰۱۳ء

قبل الظہر

حمد باری تعالیٰ

تو کہاں ہے اور کہاں نہیں، ترا حسن کس پہ عیاں نہیں
تو ہی خیمہ زن دلِ عشق میں اور ادائے نازِ بتاں میں تو

التجا

ہر سحر ترا مجھ پہ جو چل جائے تو اچھا
یہ دم ترے قدموں پہ نکل جائے تو اچھا

جس فصل بہاراں میں خزاں جلوہ نما ہو
وہ سایۂ گل رنگ ہی ڈھل جائے تو اچھا

جس پھل میں نہاں، زہرِ ہلاہل کا اثر ہو
اس پھل کا ہر اک باغ ہی جل جائے تو اچھا

وہ حسن جو عارض ہو، بچا لے تو ہے بہتر
وہ دل کہ جو عاشق ہو، بدل جائے تو اچھا

مانا ترے عشاق ہیں بسمل سے تڑپتے
جی ان کا ترے غم سے بہل جائے تو اچھا

جو راہ مجھے منزلِ جاناں کی خبر دے
اس رہ پہ قدم میرا؛ پھسل جائے تو اچھا

دنیا نہیں در اصل یہ ''مجموعۂ غم'' ہے
یہ ''کوہ مصیبت'' ہی جو ٹل جائے تو اچھا

جو آنکھ بجز ''دیدِ بتاں'' چین نہ پائے
وہ آنکھ ہی بہہ جائے، پگھل جائے تو اچھا

جو شخص نہ ہو الفتِ رحمان سے آگاہ
یہ ''روئے زمیں'' اس کو نگل جائے تو اچھا

عنبر ترا ''اُف'' بعد میں کچھ کام نہ دے گا
پہلے ہی ترا حال سنبھل جائے تو اچھا

یااللہ

نہیں کچھ بھی اس کے سوا چاہتا ہوں — فقط آپ کا سامنا چاہتا ہوں
مرا جسم کب سے کڑی دھوپ میں ہے — تری رحمتوں کی ردا چاہتا ہوں
ترا در ہی وہ در ہے اے میرے مولا — نہ اٹھّے ہے سر؛ جب اٹھا چاہتا ہوں
تو ہی میرا ملجا، تو ہی میرا ماویٰ — ترے جز کہاں دوسرا چاہتا ہوں
الٰہی ''دوائے غمِ دردِ دل'' دے — میں زخمِ جہاں سے شفا چاہتا ہوں
مرے عشق و مستی کو قرآں بنا دے — ادائے دلِ مصطفیٰ چاہتا ہوں
جنوں دے؛ جو ادراک سے ماورا ہو — ترے آسماں میں اڑا چاہتا ہوں
ابوبکرؓ سا جذبۂ جان وتن دے — سراپا محبت ہوا چاہتا ہوں
میں در یوزہ گر ہوں جلالِ عمرؓ کا — وہی سوز وساز وادا چاہتا ہوں
مری روح میں ہو خشیت نمایاں — میں عثمانؓ کی سی حیا چاہتا ہوں
عطا کر مجھے ''جذبۂ مومنانہ'' — میں کرّ وفرِ مرتضیٰ چاہتا ہوں
طلب ہے مجھے پاک سیرت نگہ کی — عبادت کی رنگیں قبا چاہتا ہوں
مری تشنگی اے خدا تیز کردے — شراب اطاعت پیا چاہتا ہوں
کثافت سے لبریز ہے دل یہ میرا — مجلّٰی، مصفّٰی کیا چاہتا ہوں

اٹھائے ہیں دستِ دعاء میں نے عنبر
خدا سے میں عفوِ خطا چاہتا ہوں

خدا کی جناب میں

مرے دل کو ولولہ دے، مری جاں کو حوصلہ دے — میں بھٹک گیا ہوں مولا! مجھے راستہ دکھا دے
غمِ دہر کے سفینے، مجھے غرق کر رہے ہیں — مجھے موجِ بے اماں سے مرے ناخدا! بچا دے
مرے دشمنوں کے حملے مرا گھر اجاڑتے ہیں — مری آرزو ہے یارب! انہیں باصفا بنا دے
بڑے زخم مل رہے ہیں، مرے دل کو اس جہاں میں — مجھے صبر کی خدایا کوئی تازہ مے پلا دے
نہ ''سرورِ رنگ و بو ہے'' نہ وصالِ شادمانی — کوئی ''نغمۂ گل افشاں'' مری روح کو سنا دے
مجھے وہ جگر عطا کر، جو مثالِ آئینہ ہو — جو ترا پتہ بتا دے، جو تری نقاب اٹھا دے
ترے در پہ سر جھکاؤں، ترے مصطفیٰ کو چاہوں — یہی فرطِ آرزو دے، یہی جوشِ مدعا دے
ترے دیں کا ہر اشارا مجھے جان سے ہو پیارا — مجھے اے خدائے عالم وہ جنون سا نشہ دے
یہ جہاں کے گھپ اندھیرے، مجھے خوں رلا رہے ہیں — کوئی شمع یاالٰہی! مری راہ میں جلا دے
مرے درمیاں مصائب کی عمارتیں کھڑی ہیں — مرے چارہ ساز مالک! یہ عمارتیں گرا دے
ترا نامِ پاک ہر دم مری روح کی غذا ہو — ترے ذکرِ جاں فزا میں، مجھے بادہ سا مزا دے

مرا قلب ہو منور، مری آنکھ پاک عنبر
مرے ہر مرض سے یارب مجھے دائمی شفا دے

حمد خدائے تعالیٰ

مری رگ میں تو، مرے دل میں تو، مرے تن میں تو، مری جاں میں تو
تری ذات مالک کن فکاں، ہے عظیم سارے جہاں میں تو
ترا نغمہ خواں ''گلِ شعلہ رو''، ترے ''ترجمان'' یہ رنگ و بو
ترا جلوہ، خار و گلاب میں، ہے عیاں بہار و خزاں میں تو
ترے دم سے ہے یہ ''شبابِ شب''، ہے سحر میں تیرا کمال سب
تری ''مہر و ماہ'' میں روشنی، ہے نجومِ نور فشاں میں تو
ترا نام ''نقش گہر گہر'' ترا تذکرہ ہے ''صدف صدف''
تری روح قلب حباب میں، ہے رواں بھی بحر رواں میں تو
کوئی بے نوا ہے جگر بہ لب، کوئی مردِ حُر ہے ''اثر طلب''
ہے ہر ایک ''دردِ نہاں'' میں تو، ہے سبھی کی آہ و فغاں میں تو
تو جو چاہے ہم کو شکست ہو، مری جیت ہو، تو جو چاہ لے
مرے دشمنوں کے عمل میں تو ہے، مجاہدوں کی اذاں میں تو
یہ زمین و چرخ کی وسعتیں بھی ترے کرم کا ظہور میں
ہے ترا جمال سحاب میں، ہے جلالِ برق تپاں میں تو
ہے ہر ایک شے پہ ترا گزر، ہے تمام شے پہ تری نظر
ترا آئینہ ہیں ''ضعیف'' بھی، ہے نہاں بھی مرد جواں میں تو
تو کہاں ہے اور کہاں نہیں، ترا حسن کس پہ عیاں نہیں
تو ہی خیمہ زن دلِ عشق میں اور ادائے نازِ بتاں میں تو

خدا سے

میں غنی ہوں ماسوا سے، تری ''ذات حق'' کو پا کے
ترا جلوہ رہ گیا ہے؛ مری روح میں سما کے

تجھے اب نگاہ ودل سے؛ نہ کبھی جدا کروں گا
کہ منا کے تجھ کو لایا ہوں ، یہ جان ودل جلا کے

ترے ''ذکرِ جاں فزا'' نے مجھے وہ شعور بخشا
پسِ پشت رکھ دیئے ہیں، غمِ دوجہاں بھلا کے

مجھے ہوگئی ہے جب سے تری معرفت میسر
مرے غم کو دور کرتی ہے تری ہی یاد آ کے

مرا کام تجھ پہ مرنا، ترا کام چھپ کے رہنا
نہ شکست میں نے مانی، نہ تھکا تو آزما کے

مرے رب! طلب کا کب تک؛ مری امتحان لے گا
کبھی شاد بھی تو کردے یہ ''حجابِ رخ'' اٹھا کے

ترا ''روسیاہ عنبرؔ'' تجھے کیسے بھول جائے
ترے ماسوا کو اس نے تو بھلا دیا مٹا کے

بہ حضور رب العٰلمین

مرے ساقی! مجھے ''مے خوار عشقِ جاوداں'' کردے
دل مضطر میں پیدا؛ لذت آہ وفغاں کردے

''گروہ عاصیاں'' کا میں رہا سرخیل، تا ایں دم
مجھے اپنے کرم سے از گروہِ صالحاں کردے

مرا ماضی رہا ظلمت کدہ میں، حال بھی یوں ہے
الٰہی! اب مرے باطن کو شمعِ ضوفشاں کردے

تری فرقت نے مجھ کو کر دیا ہے جاں بہ لب ساقی!
یہ خفگی تابکے؟ آساں مرا ہر امتحاں کردے

جلادے پھر سے شمعِ کشتہ کو اے دلبرِ عالم
مجھے فضل وکرم سے واقفِ ''سرِّ نہاں'' کردے

مرے قلب وجگر کے باغ میں دورِ خزاں آیا
حوادث دور کردے پھر اسے رشکِ جناں کردے

میں تیری ذات ہی میں گم ہوں بس یہ تمنا ہے
تو اپنے اسمِ اعظم کا مجھے ''رطب اللساں'' کردے

جیا کرتا رہے گا تا بہ کے گھٹ گھٹ کے یہ مجنوں؟
اے خلاّق حسیناں، دور اب بے تابیاں کردے

مرے دل میں فقط ہو یاد تیری، تیرا جلوہ ہو
مری آنکھوں سے جاری اشک کا سیل رواں کردے

یہ مشت خاک ہے ساقی؛ بنالے اپنا شیدائی
سراپا عشق کرکے مجھ کو ''رشکِ قدسیاں'' کردے

تو میرا ہو میں تیرا ہوں یہ رشتہ آج ٹھہرا لے
مری ''چشمِ خزاں دیدہ'' سے جوئے خوں رواں کردے

محبت کا مرے دل میں کوئی مشعل فروزاں کر
برس جاؤں عدو پر؛ مجھ کو وہ آتش فشاں کردے

مجھے راہیں دکھاتے ہی رہے پستی کی، ذلت کی
یہ موذی نفس وشیطاں ہیں؛ انہیں محرومِ جاں کردے

رموزِ عشق کو سمجھا ہے جیسے قیسِ صحرا نے
وہی فہم و خرد دے کر، مجھے بھی رازداں کردے

نہایت، غمزدہ قلب وجگر ہے آج عنبر کا
تو اپنی دید سے اک بار مجھ کو شادماں کردے

اسی مسکینؒ کے فیضِ نظر کی یہ کرامت ہے
کہ غربت میں بھی قائم ہے مسلسل بانکپن میرا

میں نعتِ مصطفیٰؐ لکھنے کو جب بیٹھا قلم لے کر

ہوا ہے خود بخود مائل، نبیؐ پر فکروفن میرا
بہت بے تاب ہے توصیفِ احمدؐ کو سخن میرا

وہی خاکِ عرب آنکھوں کا سرمہ، دل کا مسکن ہے
اگرچہ ہند ہے کہنے کو قانونی وطن میرا

اسی کا نام ہے لب پر، اسی کی یاد ہے دل میں
بڑی رفعت کو پہونچا آج کل دیوانہ پن میرا

میں نعتِ مصطفیٰؐ لکھنے کو جب بیٹھا قلم لے کر
معطر ہوگیا خوشبو سے سارا تن بدن میرا

مدینہ اور مکہ جو تجلی کے مراکز ہیں
انہی کی ضَو سے شہرِ خوبصورت ہے یہ بَن میرا

جب ان کا امتی ہوں کیوں نہ کہہ دوں پھر زمانے سے
چمن میرا ، ختن میرا ، دکن میرا ، یمن میرا

مجھے پروائے دشمن کیا، مجھے خوفِ جہاں کیوں ہو
بنا ہے جب پیمبرؐ ہی امیرِ انجمن میرا

اسی مسکینؐ کے فیضِ نظر کی یہ کرامت ہے
کہ غربت میں بھی قائم ہے مسلسل بانکپن میرا

مرے داغِ جگر جب جان لیں گے، یاد کرلیں گے
بیاں کردے کوئی جاکر یہ سودائے کہن میرا

خداوندا! مجھے حسّانؓ سی نسبت عطا کردے
رہے تر نعت گوئی میں، یہ بے مایہ دہن میرا

مری دیرینہ خواہش ہے مروں ارض مدینہ میں
نبیؐ کا جامۂ اطہر بنے یا رب کفن میرا

فدا اس پر نہ کیوں کر جان و تن کر دیجئے عنبر
اسی کی ساری ہستی ہے ، نہ تن میرا ، نہ من میرا

آقائے نامدار ﷺ کی شان میں

سدا سے جس کے چرچے ہوں زمینوں، آسمانوں میں
انوکھا کیوں نہ ہو اس کا فسانہ سب فسانوں میں

عطا اس کو کیا ہو نام؛ حق نے جب محمدؐ سا
بڑھا کیوں کر نہ جائے وہ نمازوں میں، اذانوں میں

مکمل ہوگی کس درجہ؛ حیاتِ مستعار اس کی
کرامت ہی کرامت ہو عیاں جس کے دوانوں میں

رسولوں کی صفوں میں جو امام المرسلیں ٹھہریں
بہادر نوجواں ہوں، گر چلے جائیں جوانوں میں

صداقت کو شباب ان سے، عدالت کو عروج ان سے
یہ نغمہ روز گاتے ہیں عنادل آشیانوں میں

حکومت ہو غلامی جس کے در کی، چشم خالق میں
بھلا دیکھا ہے ایسا آستانہ، آستانوں میں؟

وہ موسیٰ ہوں کہ ہوں عیسیٰ، سبھی ان کے تمنائی
کہ ہر شے تھی کہاں سارے رسولوں کی دکانوں میں

زباں ایسی، کہ ''دل کی کھیتیاں'' سرسبز ہو جائیں
''بیاں'' ایسا کہ قد اونچا رہے جس کا بیانوں میں

سراپا زلزلہ تھا ''کوہِ باطل'' میں وجود ان کا
وہ شوکت؛ جس سے لرزش، کفر کے کشورستانوں میں

وہ پیکر؛ آیۂ قرآن، تفسیریں کرے جس کی
وہ فطرت، جس کے دشمن بھی رہے تسبیح خوانوں میں

وہ زلفیں کس قدر حیرت فروشی کی رہی ہوں گی
کہ بادِ صبح گاہی بھی رہی ہو جن کے شانوں میں

جہنم جس سے گریاں، باغِ جنت جس پہ رقصاں ہو
انہیں کو ہے شرف حاصل، خدا کے رازدانوں میں

وہ جلوہ، جس کا ہر کردار ''اعجاز دوامی'' تھا
ستون و کنکری اُشتر نہ کیوں ہوں ''ہم زبانوں'' میں

خدا کے بعد ''باعظمت'' اگر ہستی کسی کی ہے
یہی ''پیغمبرِ حقؐ'' ہے جہاں کے حکمرانوں میں

بارگاہِ مصطفویؐ میں

جس صبح صبا، ان کی آمد کی خبر لائی
بے دم ہوئی دارائی، اوندھی ہوئی کسرائی

کافور ہوئی ظلمت کعبہ کے صنم ٹوٹے
دنیا ہے تماشائی، یہ کیسی بہار آئی

جب نام لیا ان کا، فوراً ہوئی آشفتہ
گاتی ہوئی موسیقی، بجتی ہوئی شہنائی

وہ کون ہے بتلاؤ؛ اک جس کے تبسم سے
سورج میں تجلّی ہے اور پھول میں رعنائی،

اک بار کھلیں زلفیں، راتوں کی ہوئی عیدیں
جب رخ سے اٹھا پردہ تو دن نے چمک پائی،

ان سا کوئی دکھلائے؛ ہو جن کی سخاوت میں
افلاک سی ''پہنائی'' دریا کی سی گہرائی

دیکھا نہ تھا یہ منظر، عالم کی نگاہوں نے
پروانے کی صورت ہے ہر شہری وصحرائی

جب اجڑے گلستاں میں وہ جانِ جہاں آیا
''ایماں کی بہار'' آئی ''قرآں کی گھٹا چھائی''

یہ ''شقِ قمر'' کیا ہے ہر ایک پہ قرباں ہے
موسیٰ کا ''یدِ بیضاء''، عیسیٰ کی مسیحائی

اک آگ کا طوفاں تھا ہر سمت فضاؤں میں
رحمت کے پیمبر کی، ہر شے تھی تمنائی

میں نعت لکھوں ان کی، یہ تاب کہاں عنبر
خود خالقِ عالم ہو جس ذات کا شیدائی

فرش سے تا عرش جس کا نام ''حق'' اونچا کرے
پھر تعجب کیا جہاں میں وہ اگر گونجا کرے

جس کے در پر ناصیہ فرسا رہا ہو جبرئیل
اس کا جلوہ کیوں نہ ہر شے، شوق سے دیکھا کرے

دشت و گلشن میں وہی، خاروں گلابوں میں وہی
ہے کوئی ایسا کہ جس کا، ہر کوئی چرچا کرے؟

جس کی پابوسی پہ عظمت کو بھی سو سو ناز ہوں
کیوں نہ اس سو انبیاء کا قافلہ چہرا کرے

حق نے اس کو کہہ دیا جب رحمۃ للعالمینؐ
کوئی دہشت گرد سمجھے ہے، تو پھر سمجھا کرے

اس کی شوکت کا ''چراغِ طور'' بجھ سکتا نہیں
باطل اس کی کوششیں مل کر کرے، تنہا کرے

یہ وہ سورج ہی نہیں جس کا مقدر ہو غروب
''دشمنِ انوار'' چاہے، جس قدر چاہا کرے

سیکڑوں فرعون آئے ہیں، ہزاروں آئیں گے
کوئی ''موسیٰ'' کج دلوں کی کس لئے پروا کرے

بے ضمیری، کم عیاری کا نمائندہ ہے وہ
آسماں پر تھوکنے کا جو کوئی سودا کرے

ایسا لگتا ہے کہ یورپ؛ عقل سے اپنی گیا
کوئی عاقل ہو تو پھر اندیشۂ فردا کرے

وہ تمدن اور وہ تہذیب بے شک موت ہے
اپنے محسن سے بغاوت پر جو آمادہ کرے

سن لے اے شاتم! خدا کا فیصلہ ٹھہرا ہے یہ
تیرا ہر اقدام تجھ کو ہر کہیں رسوا کرے

کس کو کہتے ہیں محبت، زندگی کیا چیز ہے
آئے طالب اور اس دربار سے سیکھا کرے

ہم ہیں اس امت میں اے عنبر خدا کے فضل سے
جس میں ہونے کی تمنا ''صاحبِ بیضا'' کرے

منظومات

نکل جا اے مسلماں وادیِ فرقہ پرستی سے
جو ہے مومن تو ہر مومن سے باہم جسم و جاں ہو جا

نام سن کر کانپ جاتا ہے "جواں" شمشیر کا — شکوہ کرتا ہے شکستوں پر مگر تقدیر کا
کہتے کہتے واعظوں کا رنگ پیلا پڑ گیا — سننے والوں پر اثر کوئی نہیں تقریر کا
کام کرنا ہے تو بے باکانہ حجرے سے نکل — اہلِ ہمت کے دلوں میں کیوں ہو ڈر زنجیر کا
اُف نہ کہنے کی سزا یاروں نے یوں دی ہے ہمیں — دل بنا ہے ایک عرصہ سے نشانہ تیر کا
خون روتا ہے دلِ شاعر مسلسل زار زار — ذکر چھڑ جاتا ہے جب بھی خطۂ کشمیر کا
قومِ مسلم ٹیلی ویژن سے ہے یوں چپکی ہوئی — گویا جاری ہو سبق قرآن کی تفسیر کا
ہے جبیں سجدے سے خالی پر یہ جذبہ دیکھئے — فکر ہے رقصاں دلوں میں کعبہ کی تعمیر کا
قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں ہلچل ہے مچی — یہ کرشمہ ہے ہمارے نالۂ شب گیر کا
نصرتِ غیبی تو آنے کو ہے کب سے بے قرار — خود مسلماں بنتے جاتے ہیں سبب تاخیر کا
رستگاری نفس و شیطاں سے ہو حاصل کس طرح — معتقد کوئی ہوس کا، کوئی جاہل پیر کا
جوں کی توں قائم ہے امت کا کمالِ بے حسی — فائدہ کیا صاحبو! پھر نعرۂ تکبیر کا
خواب بینی بھی ہے ہندستان میں سنگین جرم — نام بھولے سے بھی مت لیجے کبھی تعبیر کا
جب سے میرے حسن کا شہرہ ہوا ہے چارسو — تجزیہ کرتا ہے ہر ناقد مری تصویر کا
مجھ کو بھی طرزِ سلف کی شاعری آنے لگی — گویا میں نے بھی زمانہ پا لیا ہے میرؔ کا
بات تو جب ہے کہ آئے میکدے میں انقلاب — ورنہ کیا حاصل ہماری شوخیِ تحریر کا

اب تو اپنے عنبرِؔ عاصی کو کر دیجے معاف
کب تلک تازہ رہے گا واقعہ تقصیر کا

اونچا ہمالیہ سے بھی اپنا نشان کر
اٹھ اور اٹھ کے اپنی زمیں آسمان کر

کب تک ترا وجود قفس میں رہے گا قید
پر کھول دے فضاؤں میں اونچی اڑان کر

صد حیف اب وفا بھی ہوئی حرفِ نامراد
اب کس پہ دل کو واریئے مشتاق مان کر

انسانیت ہُما کی صدا بن کے رہ گئی
آنکھیں بچا کے چلتے ہیں اب لوگ ''جان کر''

اٹھ، قومِ مستِ خواب کو اب نیند سے جگا
امت میں جا کے اس کی فضیلت بیان کر

باطل کے ڈر سے کیوں ہے ترا سر جھکا ہوا
ایماں ہے تیرے دل میں تو رہ سینہ تان کر

بڑھتے ہی جا رہے ہیں ترے غیر کے قدم
دشمن کے سر کچلنے کا کوئی پلان کر

آئیں گے خود تمہارے عدو چل کے سر کے بل
بس شرط ہے کہ اپنے ارادے جوان کر

تنکا بھی خوش دلی سے اگر ماں عطا کر دے
اس کو غلافِ کعبہ کا ٹکڑا گمان کر

سارے وطن فروش سیاست میں آ گئے
آ ان سے پاک صاف یہ ہندوستان کر

ان کو اگر ہے طاقتِ بسیار پر غرور
میداں میں ہم بھی آئے ہیں کچھ اور ٹھان کر

جینے کے رنگ ڈھنگ میں کچھ انقلاب لا
آباد درد و سوز سے اپنا جہان کر

عنبر ہے اختلاف سے آدم بھرا ہوا
عالم کو حسنِ خلق کا اب ترجمان کر

بے علم، بے کمال و ہنر، بے زبان ہے
کتنا شکستہ آج کا مردِ جوان ہے

ہے بس اسی کے واسطے تسخیرِ کائنات
جس کی فضائے علم میں اونچی اڑان ہے

غفلت، تفکراتِ جہاں، عیش کوشیاں
اسلامیوں کی آج یہی داستان ہے

ہندو سے مستعار ہے اس کا لباس و تن
عیسائیوں کی خو ہے، یہودی اٹھان ہے

مشرق سے ہو گئی ہے خدا واسطے کی بیر
مغرب کا شیفتہ ہی نہیں، ترجمان ہے

غیرت گئی، شباب لٹا، آبرو لٹی
یورپ سے آگے کشورِ ہندوستان ہے

عنبر دعا کرو کہ عطا خونِ دل بھی ہو
مانا خطیبِ وقت فصیح اللسان ہے

راہ ناہموار تر ہے، پاؤں بھی معذور ہے
فاصلہ تو مختصر ہے پھر بھی منزل دور ہے
بد نگاہی کا عجب دورہ پڑا ہے آج کل
وہ بھی دیکھے ہے اُدھر کو جس کو حاصل حور ہے
اس کی مٹھی ہی نہیں چٹکی میں ہے یہ کائنات
اس کا سینہ عزمِ محکم سے اگر معمور ہے
اہلِ ثروت بے دوا کھائے کبھی سوتے نہیں
خوابِ شیریں میں ہے وہ جو تھک کے بالکل چور ہے
آدمیت رفتہ رفتہ ایسی عنقا ہوگئی
بھائی بھائی سے جہاں کا ہر بشر رنجور ہے
جو قوی ہے وہ قوی تر ہورہا ہے روز روز
جو پریشاں حال ہے وہ دن بدن مجبور ہے
"علمِ دنیا" درد سے شاید ابھی واقف نہیں
"علمِ دیں" سے دردِ پیہم ہر جگہ کافور ہے
آہ یہ تفریق، کوئی ہے گدائے رہ نشیں
کوئی بے اندازہ نعمت پر سدا مسرور ہے
کامرانی کیسے عنبر اس کی پابوسی کرے
طور تو ہے لیک فقدانِ کلیمِ طور ہے

یہ دل جو نمونہ بن کے رہا کل تک جمشید کے ساغر کا
صد حیف مرے حق میں نکلا یہ دشمنِ جانی اندر کا
کمزور ہیں کیوں ایماں والے کیا آپ نے اتنا سوچا ہے
کچھ تاب یقیناً دکھلاتا گر پیٹ جو بھرتا خنجر کا
مشکل ہے کہ پیہم دربدری امت کا تعاقب چھوڑے گی
منزل کا پتہ تو دور رہا، اوجھل ہے نشاں تک رہبر کا
کیا ہوگا بتاؤ اے ہمدم، اس گھر کے تمدن کا نقشہ
خاتون جہاں آگے بڑھ کر کردار نبھائے شوہر کا
سیرت کی کتابوں نے کھولا یہ راز ہماری آنکھوں پر
ہر معرکہ سر ہوجاتا ہے جب جوش میں ہو سودا سر کا
اس دور کے مومن و کافر میں کچھ فرق نہیں ملتا ہم کو
ہر چہرۂ مومن لگتا ہے گویا کہ ہے چہرہ کافر کا
اس قوم کی غفلت کا خود ہی اب سوچئے کیا عالم ہوگا
جب فلم کے ایکٹر بنتے ہوں کردار فلک کے اختر کا
یہ ملک ہی کیا، اس دنیا کی تقدیر بدل کر رہ جائے
اے کاش پلٹ کر آجائے ایمان پرانے تیور کا
ہر تیر چلا کر دیکھ لیا پر آنکھ تمہاری کھل نہ سکی
اب تک تو پگھل کر رہ جاتا اے یار کلیجہ پتھر کا
ہر لفظ ہی اک فن پارہ ہے اربابِ ادب کی نظروں میں
لاریب کہ سچا موتی ہے ہر شعر "حدیث عنبر" کا

ابجدی نظم

الف آزردہ کیوں ہے وقت کا آزار دیکھ کر — تائب ہو جلد، خود کو گنہ گار دیکھ کر

ب بے شک یہاں سے ساحلِ دریا نہیں قریب — دل گیر کیوں ہے کوہ سی منجدھار دیکھ کر

پ پردہ کو ایک کارِ گنہ مانتے ہیں لوگ — لگتا یہی ہے آج کا سنسار دیکھ کر

ت تقویٰ نبیؐ کے یاروں کا اتنا بلند تھا — اسلام لے ہی آتے تھے اغیار دیکھ کر

ٹ ٹھوکر میں رکھ بلاؤں کو منزل کی سمت چل — ہمت نہ ہار، راستہ دشوار دیکھ کر

ث ثانی نہ مل سکا مجھے اب تک جناب کا — میں دم بخود ہوں آپ کا ایثار دیکھ کر

ج جب تک کہ دم میں دم ہے محبت نہ جائے گی — مومن ہوں میں حضورؐ کا کردار دیکھ کر

چ چلنا بھی ایک فن ہے اسے سیکھئے ضرور — جب بھی چلیں تو وقت کی رفتار دیکھ کر

ح حالت وہ مومنوں کی ہے کافر کے سامنے — جیسے کہ روزہ داروں کی افطار دیکھ کر

خ خودغرضیاں ہمارے دلوں سے نہ جائیں گی — دل کہہ رہا ہے ملک کی سرکار دیکھ کر

د دولت کی ریل پیل نے اندھا بنا دیا — پھر شادیاں ہوں کس لئے دیں دار دیکھ کر

ذ ذلت کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے کیا — دل رو رہا ہے قوم کو لاچار دیکھ کر

ڈ ڈر جب کلاہ و ریش سے ان کو ہے اس قدر — کیا ہوگا سب کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

ر رہزن بھی خوب ہوتے ہیں رہبر کے بھیس میں — ہمدم نہ جان بیٹھئے چمکار دیکھ کر

ز زاہد بھی مے کدے کے ارادے میں تھے مگر — باز آئے بادہ خواروں کو بیمار دیکھ کر

س سجدے کی بات چھوڑئے اب تو یہ حال ہے — جیتی ہے قوم رنگِ ادا کار دیکھ کر

ش شرم و حیا کا آہ جنازہ نکل گیا — حیرت زدہ ہوں ملک کے اخبار دیکھ کر

ص صدق و وفا کا دشمنِ جانی ملا مجھے — چاہا تھا میں نے جس کو وفادار دیکھ کر

ض ضبطِ فغاں بھی آج نہ کام آسکا مرے — کچھ ایسا حال ہوگیا گلزار دیکھ کر

ط طاقت پہ مال داروں کو اتنا غرور ہے — ٹھوکر لگا کے چلتے ہیں نادار دیکھ کر

ظ ظاہر ہے جس کو عیشِ فراواں عزیز ہو — مرجائے کیوں نہ وہ رسن و دار دیکھ کر

ع عصرِ رواں میں مردِ مسلماں بھی کم نہیں — کافر گماں نہ کیجئے زنار دیکھ کر

غ غم یہ نہیں کہ لوٹ کا بازار گرم ہے — صدمہ ہے لیڈران کی بھرمار دیکھ کر

ف فتنے تو اور بھی ہیں مگر یہ تو اور ہے — ڈرنے لگا ہوں سبز سی دستار دیکھ کر

ق قبرِ ولی ہے یا کہ برہمن کا آشرم — حیران ہوں میں شرک کا طومار دیکھ کر

ک کچھ تو فریب کھا کے مریدوں میں ہوگئے — کچھ لوگ ہاتھ دیتے ہیں مکار دیکھ کر

گ گتھی سلجھ نہ پائے گی کچھ اختلاف کی — کہتا ہوں میں یہ جہل کے مینار دیکھ کر

ل لوگوں کو چاہئے کہ کریں جب بھی انتخاب — حق اور اہلِ حق کا طرف دار دیکھ کر

م ممکن نہیں کہ کوئی صحیح النسب ملے — کہتا ہے دل یہ حسن کا بازار دیکھ کر

ن نعمت کی مجھ پہ خوب فراوانیاں سہی — شرمندہ ہوں گناہوں کے انبار دیکھ کر

و وہ اپنے طمطراق کو سمجھے ہوئے ہیں کیا — ٹھکرا چکے ہیں ہم انہیں بے کار دیکھ کر

ہ ہر شخص اعتماد کے قابل نہیں رہا — رشتہ جناب کیجئے سو بار دیکھ کر

ی یادِ خدا سے کیوں ہے تجھے اس قدر نفور
عنبر سنبھل نوشتۂ دیوار دیکھ کر

آوارہ ممبئی

کہتے ہیں ممبئی کے ہیں انساں کھلے ہوئے
سب کے لئے ہیں سب کے دل وجاں کھلے ہوئے

ذوقِ گنہ سے آدمی ہردم بھرا ہوا
رمضان میں بھی دیکھے ہیں شیطاں کھلے ہوئے

رنگیں یہاں کی صبح ہے، رنگیں یہاں کی شام
زلفیں کھلی ہوئی ہیں تو گریباں کھلے ہوئے

لیلیٰ کے بانکپن میں کی نہیں نشاں
مجنوں کے واسطے درِ جاناں کھلے ہوئے

وہ شوخیاں کہ شرم و حیا اک وبال سی
ہر ہر قدم پہ قاتلِ ایماں کھلے ہوئے

اسلام و کفر میں ہے مکمل ہی اتحاد
گیتا کے ساتھ ساتھ ہیں قرآں کھلے ہوئے

عقلِ سلیم کا ہے یہاں ناطقہ ہی بند
ہر گام پہ ہی ملتے ہیں ناداں کھلے ہوئے

بگڑے ہوؤں کے واسطے ہوٹل کا انتظام
اچھوں کے واسطے درِ زنداں کھلے ہوئے

عریانیت کا نام ہے بھرپور زندگی
آوارگی کے بکتے ہیں ساماں کھلے ہوئے

تہذیبِ نو کا ان پہ وہ نشہ چڑھا ہوا
پردہ کو دیکھ، ان کے ہیں دنداں کھلے ہوئے

پرسانِ حال کوئی بھی آتا نہیں نظر
ہر ایک موڑ پہ ہیں نمک داں کھلے ہوئے

عصمت فروشیوں کا وہ بازار الاماں
ہر آن حظِّ نفس کے ''فرماں'' کھلے ہوئے

مردوں کی آنکھ شرم سے اکثر جھکی ہوئی
ہیں دعوتِ نظارہ کو خوباں کھلے ہوئے

فلموں کی آب و تاب کا ہر فرد پر خمار
ملتے ہیں ہر مقام شبستاں کھلے ہوئے

شانے پہ ہاتھ ڈال کے چلتے ہیں عاشقاں
معشوق کے بھی ہیں لبِ خنداں کھلے ہوئے

آزادی عورتوں کی یہاں تک پہنچ گئی
ہوتے ہیں حسن وعشق کے پیماں کھلے ہوئے

ادغام لب ہو یا کہ جوارح کا انضمام
ہوتے ہیں سب عوام کے دوراں کھلے ہوئے

عنبر ہیں کارِ خیر کی ہر کاوشیں فضول
جب لڑکیوں سے ہوتے ہوں سلطاں کھلے ہوئے

مومن

اللہ سے غفلت ہے مسلماں کی تباہی
ہوتی نہیں پھر ان کی کبھی پشت پناہی

ہو جائے عزازیل کا صدمے سے، جگر چاک
وہ تیغ ہے اے مردِ خدا ! ترکِ مناہی

زاہد ہو مسلمان تو بے ساختہ رک جائے
آفات کا ہر سلسلۂ لامتناہی

جو شخص کہ ہو ''دولتِ اخلاق'' سے محروم
ہو ''واقفِ در'' تو بھی ہے بھٹکا ہوا راہی

ہو جائے اگر اب بھی ترا قلب ونظر پاک
ہر وقت ترے ساتھ ہو ''تائیدِ الٰہی''

دروازۂ باطل پہ کبھی جھک نہیں سکتا
فطرت نے عطا کی ہے، جسے شیری وشاہی

ڈرتا ہوں کہیں چاہِ ہلاکت میں نہ لے جائے
نادان! ترا یہ مرضِ کور نگاہی

مومن ہے تری روح، تو کونین تمہارا
وہ ''عالمِ افلاک'' ہو یا ''عالمِ ماہی''

عنبر تجھے اسلام جو کہتا ہے کئے جا!
ڈرتا نہیں طوفان سے ''جاں باز سپاہی''

داستان الم بہ جناب باری تعالیٰ

ہوا ہے ہر کوئی حامل تشدد کی کہانی کا
نہ جانے کب رکے گا سلسلہ آتش فشانی کا

ترے بندوں نے محرومی سے ایسا دور پایا ہے
وزن یکساں ہوا جس میں خدایا خون پانی کا

کسی پل چین لینے ہی نہیں دیتا عدو میرا
مسلسل، سلسلہ قائم ہے اک ریشہ دوانی کا

مسلماں کی زبانیں کٹ گئیں،لب سل گئے سارے
نشاں اک بن گئے یکسر؛ وہ اپنی بے نشانی کا

عقیدہ ہے قیامت اپنے موقع پر ہی آئے گی
مگر محشر کا منظر آج ہی ہے ''دارِ فانی'' کا

ہمارا رہنما لے کر ہمیں بے سمت چلتا ہے
''فرنگیت زدہ'' رخ ہے، ہماری حکمرانی کا

ہمارا ''میرِ لشکر'' دشمنوں کے پاؤں دھوتا ہے
بنا بیٹھا ہے اک مدت سے پیکر بے زبانی کا

دل مومن میں برپا ایک طوفانِ مسلسل ہے
ہدف پیہم بنا ہے کفر کی شعلہ بیانی کا

معاذ اللہ! اب کی بار ''پیغمبرؐ'' پہ حملہ ہے
وہ پیغمبرؐ! نشاں تھا جو کہ امن وگل فشانی کا

الٰہی! یہ مصیبت تو مسلمانوں پہ بھاری ہے
مداوا کیا ہے مولیٰ اس بلائے ناگہانی کا؟

جواب

(۱)

ہوا ہے لب مسلسل کس لیے محو فغاں تیرا
لیا ہے میں نے بیداری کی خاطر امتحاں تیرا

فقط شہرت کی خاطر مسجدیں اپنی بناتا ہے
نہ کیوں ہو بے اثر پھر ''قائدِ جادو بیاں'' تیرا

عمل سے تو نے کب اپنی ''مسلمانی'' دکھائی ہے؟
جہاں پر دے رہا ہے جان ہر پیر وجواں تیرا

لگایا ہے تمھی نے ''برقِ خرمن'' کو گلے اپنے
فضائے جاں فزا پائے گا کیسے گلستاں تیرا

حجازی لے سراسر چھٹ گئی تیرے عنادل سے
ترے ہاتھوں سے یورپ چھین بیٹھا آشیاں تیرا

نگاہیں کر گئی خیرہ؛ چمک تہذیبِ حاضر کی
نظر آتا نہیں تجھ کو ''خدائے لامکاں'' تیرا

تری تعداد بے شک ساری دنیا میں زیادہ ہے
تلاطم سے نہیں آگاہ بحرِ بے کراں تیرا

محبت تجھ کو گر ''فخرِ رسلؐ'' سے حَبّہ بھر ہوتی
عمل ہوتا ہر اک ''مثلِ امیرِ کارواں'' تیرا

محمد مصطفیٰؐ عظمت کے ایسے ماہِ کامل ہیں
کہ جن کے ''نورِ عظمت'' سے ہے تابندہ جہاں تیرا

رہی ہے، حشر تک باقی رہے گی ''شپّرہ چشمی''
بجھا ہے اور نہ بجھ پائے گا ''نورِ جاوداں'' تیرا

خدا کے گھر سے تیری آشنائی کیوں نہیں دائم
عیاں کیوں کر نہیں ہوتا سدا ''دردِ نہاں'' تیرا

''طلسمِ فرقہ بندی'' توڑ کر ملت میں گم ہو جا!
رہے گا سینۂ گیتی پہ دائم ''حکمراں'' تیرا

گھٹا ادبار کی، جب بھی کبھی باطل پہ چھاتی ہے
تو کرتا ہے نہایت تلخ کامی سے بیاں تیرا

نبیؐ کی زندگی سے ''سیرتِ فولاد'' پیدا کر
وگرنہ آگ برسائے گا پیہم آسماں تیرا

(۲)

''حدیثِ مرسلاں'' ہوجا؛ خدا کا ترجماں ہوجا
تری فطرت ہے افلاکی؛ سراپا آسماں ہوجا

نہ رکھ آلودہ اپنا ''دامنِ تقویٰ'' عداوت سے
حمیت میں، محبت میں ''جہاں بانِ جہاں'' ہوجا

تجھے یزداں نے ''ابنِ رحمتِ عالمؐ'' بنایا ہے
جہاں تک ہو سکے؛ شفقت میں بحرِ بیکراں ہوجا

نکل جا اے مسلماں وادیِ فرقہ پرستی سے
جو ہے مومن تو ہر مومن سے باہم جسم و جاں ہوجا

نبی تیرا، کلام اللہ تیرا، اور خدا تیرا
صحابہؓ کی طرح سارے زمانے پر عیاں ہوجا

دکھادے جرأتِ رندانہ اپنی چشمِ دنیا کو
خدا کا شیر بن کر دشمنوں کے درمیاں ہوجا

تمہارے سامنے آئینہ ہے قرآنِ فرقاں کا
کبھی شیریں زباں ہوجا کبھی تیر و کماں ہوجا

نبوت کی اہانت کا تحمل موت ہے پیارے
نکل کر حلقۂ صوفی سے شمشیر و سناں ہوجا

نہیں زیبا تجھے دشمن کی غداری پہ خاموشی
شجاعت میں، صداقت میں، عمل میں جاوداں ہوجا

اتر آئیں گے اب بھی لشکرِ نادیدہ نصرت کو
ذرا پہلے تو خود بھی اپنے دیں کا پاسباں ہوجا

نہیں پہلی سی طغیانی؛ ترے دریا کی موجوں میں
لہو کو گرم تر کرلے، فلک کا ’’ہم عناں‘‘ ہوجا

تو اپنے ولولوں سے ’’پرچمِ اسلام‘‘ اونچا کر
’’شرابِ عشق‘‘ پی کر ’’مردِ آزاد و جواں‘‘ ہوجا

ہوا وقتِ سحر رخصت ہوا ’’دورِ گراں خوابی‘‘
تو اے ’’خوابیدۂ دیریں‘‘! مجاہد کی اذاں ہوجا

نہیں اچھا اچھلنا ایک قطرے پر میاں عنبرؔ
شریعت کی سبھی خُم ڈھال لے؛ پیرِ مغاں ہوجا

جب تک نہیں تو جرأت رندانہ میں طوفان
بے کار نمازیں تری؛ بے دم ترا ایمان
ہو ’’جوہرِ قابل‘‘ تو سنورتا ہے بہت جلد
ہوتا ہے وہی دہر میں حیدرؓ کبھی سلمانؓ
فطرت ہو اگر مردہ وافسردہ وبے ذوق
کرتی ہے جوانوں کو ’’سپردِ قبرستان‘‘
جویا ہوں میں جس کا وہی آدم نہیں ملتا
کہنے کو تو ہر شخص ہے، بابائے صفاہان
مسجد ہو کہ یا ’’خانقۂ پیر ہدیٰ‘‘ ہو
ہے وادئ فاراں تری؛ بے تحفۂ قرآن
باطل سے لرز جاتا ہے اس دور کا مومن
اس پر بھی وہ مغرور کہ ہے زندہ مسلمان
’’بے تیغِ عمل‘‘ معرکہ سر ہو نہیں سکتا
ملتا نہیں بے غوطہ کبھی لؤلؤ ومرجان
ہو ’’محفلِ گفتار‘‘ تو اک موجِ بلا خیز
کرادر کے میدان میں اک ’’طفلکِ نادان‘‘
تو جوش میں اک ’’زلزلۂ کوہ شکن‘‘ تھا
دنیا تجھے کہتی تھی جہاں بین وجہاں بان
مومن ہو جواں عزم تو جبریل کا مرشد
کونین کے باشندہ ہیں دربار کے دربان
گر تجھ میں ہے پیوست؛ طریق مصطفویؐ
عنبرؔ ترا ہر حال میں اللہ نگہبان

دل ''مستِ خدا'' ہاتھ میں مومن کا نشاں ہو
یہ بات اگر ہے، تو حقیقت میں جواں ہو
وہ مرد کہ جس میں ہوں صحابہؓ کی ادائیں
اس مرد کی توصیف؛ بھلا کس سے بیاں ہو
جو ''مردِ مسلماں'' کے عزائم کو کرے تیغ
یارب وہ خودی ''چشمِ مسلماں'' پہ عیاں ہو
اے ''طائرِ فطرت'' کے گُر ''آموختہ صیادؔ''!
یہ تو مجھے بتلاؤ کہ اس وقت کہاں ہو؟
تم نورِ مبیں ہو تمھیں ظلمات سے کیا خوف
تم صبح مسرت، تمھی ''خورشیدِ جہاں'' ہو
اے مصدرِ ہر شئ، انھیں وہ آنکھ عطا کر
جس آنکھ سے ہر لحظہ رواں؛ سیلِ رواں ہو
اللہ نے دی ہے تمھیں بے داغ جوانی
تا ''گلشنِ باطل'' کے لئے برقِ تپاں ہو
مومن نہیں ہوتا، کبھی دشمن سے ہراساں
کیسے ہو کہ جب ساتھ میں اللہ میاں ہو
اے ابنِ براہیم! خور وخواب سے پرہیز!
اب تو ترے کانوں میں مجاہد کی اذاں ہو
کافر سی ادائیں ترے شایاں نہیں ہرگز
تم ''گردن باطل'' کے لئے تیر وکماں ہو
اس قلب و جگر کا میں طلبگار ہوں عنبرؔ
جس قلب میں ہر آن جواں دردِ نہاں ہو

سر زمین ہند کس کس بات کا ماتم کرے
ابتلائے پے بہ پے سے سر؛ ہے اس کا بارِ دوش

اپنے فرزندوں کے ہاتھوں آبرو اس کی گئی
رہنمایانِ وطن ہی بن گئے عصمت فروش

کیوں نہ ہو حیوانیت، وحشت، فرنگیت کا راج
جب عدالت ہوگئی ''محرومِ گوشِ حق نیوش''

آگ ظلم وجور کی جب تک نہیں ہوتی ہے سرد
اور بڑھتا ہی رہے گا فرقہ بندی کا خروش

''کاروانِ بولہب''؛ منزل تو اپنی پا گیا
دیکھنا یہ ہے مسلمانوں کو کب آتا ہے ہوش

قوم مسلم کا تعارف؛ مجھ سے اے ہمدم نہ پوچھ
''بے نیازِ شرع و دیں''، بیگانۂ فردا ودوش

ہم میں اور اسلاف میں نسبت کوئی باقی نہیں
بزدلی شیوہ ہمارا، وہ ہمہ تن ''سخت کوش''

اٹھ گئے پیر مغاں، خالی پڑے ہیں میکدے
شیشہ وخم سرنگوں ہیں، ساغر ومینا خموش

بت پرستی مٹ گئی، دنیا پرستی آگئی
ہوگئے پیر وجواں اب ''مبتلائے ناؤ نوش''

کلمہ گوئی سے ''جمالِ آخرت'' مطلوب ہے
ہم ہوئے جاتے ہیں لیکن؛ کفر کے حلقہ بگوش

اپنی جڑ سے کٹ کے عنبرؔ بے سہارا ہوگئے
تھے تدین میں کبھی ہم سخت جان وگرم جوش

''جبّہ ودستار'' پر ہندی تمدن چھا گیا
ہوگیا اسلام ہندستان میں زنار پوش

ہندی زباں

ہندی زباں کی سیدھی نہیں ہے کوئی بھی کل
الفاظ گرچہ اچھے معانی کے ہوں محل

پانی کہ جس کا کام ہے آتش کا قتلِ عام
ہندی میں اس کا نام ہی رکھا گیا ہے ''جل''

یہ سوچ سوچ کر مرا، ہوا ہے آج سینہ شق
ابھی تلک ہے داغ دار کیوں حیات کا ورق

جو درسگاہِ مصطفیٰ سے تھا نصیب سے ملا
بھلا دیا ہماری قوم نے وہ بے بہا سبق

نگاہ کھوگئی تری یہاں کے رنگ ونور میں
رہی نہ جسم میں ترے، حیات کی کوئی رمق

فرنگ نے ترے ضمیر کو سلا کے رکھ دیا
گلا تو گھٹ گیا ترا کہاں سے آئے حرفِ حق

ادب کے نام پر یہاں فروغ ابتذال کا
ہوا ہے شرم سے مرا تمام تن عرق عرق

تمہاری برق فطرتی کہاں چلی گئی بتا
عدو کا رنگ دیکھ کر ترا وجود کیوں ہے فق؟

مذاق اڑ رہا ہو جب مرے نبیؐ کے دین کا
غلامِ مصطفیٰ ہوں میں نہ کیوں ہو پھر مجھے قلق

بہت کمال کی نہیں مری یہ محفلِ سخن
نہ ہو تری زبان پر کوئی کلام بھی ادق

مکہ تری خاطر ہے، مدینہ تری خاطر
یہ ''رونق وہنگامۂ دنیا'' تری خاطر
ہے تیرے لئے ''گنبدِ گردوں'' کا نظارہ
اور تاب و تبِ ماہ وثریا تری خاطر
ہے ''بلبلِ خوش گو'' تری خاطر ہی نوا سنج
گلشن کی بھی ہر مستیٔ نغمہ تری خاطر
''تسخیرِ جہاں'' صرف ترا کام ہے، تیرا
ہیں ''بادیہ و کوہ، یہ دریا'' تری خاطر
باطل ہے اگر ''جبر نشاں'' صورتِ فرعون
پیدا کیا رب نے یدِ بیضاء تری خاطر
یہ ''سلسلۂ شام وسحر'' بھی ہے ترا ہی
''امروز'' بھی تیرے لئے، فردا تری خاطر
قرآں ہو، محمد ہو، کہ ہو ملت بیضاء
یزداں نے کئے سب کو ہویدا تری خاطر
اے ''امتِ ناداں''! تجھے یہ یاد نہیں کیا؟
اک روز ملک نے کیا، سجدہ تری خاطر
اللہ نے شیطان کو ملعون کیا کیوں
معلوم بھی ہے؟ وہ بھی ہے رسوا تری خاطر
عنبر تو خداوند سے توفیقِ خودی مانگ
ہر چیز کو جس نے کیا پیدا تری خاطر

حقا کہ تو ہے ساری نمازوں کا نمازی
پر اب بھی نہ آیا تجھے اندازِ ایازی
پھر ''معرکۂ باطل وایمان'' ہوا گرم
آ! عرصۂ کردار میں، ''باہمتِ غازی''
ہے تیرا جہانِ تگ ودو؛ اک خس وخاشاک
جب تک کہ نہ ہو اس میں رواں ''خونِ حجازی''
یورپ ہے، مسلماں کا نیا قبلہ وکعبہ
سب ''ناصیہ سا'' ہیں وہ عراقی ہوں کہ تازی
ڈر ہے مجھے ہر دم؛ کہیں ایمان نہ لٹ جائے
چونکے نہیں اس بار بھی ہم ہار کے بازی
اے ''امتِ خوابیدہ'' کبھی اپنا عمل دیکھ
کس واسطے کرتی ہے فقط ''آئینہ سازی''؟
ہو قلب ونظر زندۂ جاوید تو ہے بات
مردہ ہو تو باطل ہے؛ غزالی ہو کہ رازی
بے مصرف ومہمل ہے وہ تسبیح وعبادت
جس سے کہ نہ آنکھوں سے گرے ''اشکِ پیازی''
ہے ''دستِ مسلمان'' بھی، داؤد کی صورت
کوتاہ ہے، فولاد کی، یاں دست درازی
الجھا جو خم و پیچ جہاں میں کوئی عنبر
آیا نہ ہنر کوئی بجز کارِ نیازی

اللہ بناتا ہے جسے صاحب اسرار
ہوتا ہے زمانے میں وہی حیدر کرار

کافی نہیں اس دور میں تسبیح ومصلیٰ
جب تک کہ نہ ہو دل میں کوئی جرأتِ کردار

حالات تو مومن کے لئے بانگِ درا ہیں
وہ ''شورشِ افغان'' ہو یا فتنۂ تاتار

ہو قلب ہی ناصاف تو پھر خونِ جگر کیا
بے روح ہے بے شک وہ ''گل افشانیٔ گفتار''

مغرب کی محبت نے کیا تم کو ''تہی دست''
تھا ورنہ ترا سوزِ نفس بھی کبھی تلوار

ظاہر میں تو ہے شیخ، طبیعت میں برہمن
پھر کیوں نہ ہو جبریل وسرافیل کی پھٹکار

تا ''عظمتِ رفتہ'' تری؛ پھرلوٹ کے آئے
آ لشکرِ جرّار کا بن! قافلہ سالار

صد حیف؛ تجھے اپنی حقیقت نہیں معلوم
تھا؛ حق کے خزانے کا تو اک گوہر شہ وار

طاغوت ترے سامنے آخر نہ جھکا کیوں؟
شاید ترے ہاتھوں میں نہیں ''دامن سرکار''

ہو جائے اگر اب بھی خود آگاہ وخدا مست
مڑ جائے اشارے پہ ترے وقت کی رفتار

ہے تجھ میں اگر عشق؛ تو پھر ''جوشِ عمرؓ'' لا
تا ملتِ بیضاء ہو جہاں بان وجہاں دار

کافر ہے تو رہ کفر کی تشہیر پہ خاموش
مومن ہے تو لے ہاتھ میں شمشیر جگر دار

جب تک کہ نہ ہو دیں ترے ہر سانس میں عنبرؔ
بیکار ہیں یہ سارے کرامات کے انبار

اردو ٹائمز (ممبئی) کے نام

تری تخلیق؛ فاروقی، ترا کردار؛ کرّاری
عطا کی ہے ترے ہاتھوں کو حق نے ''ضربتِ کاری''

جیا کرتا ہے ''مردِ حر''؛ خدا کی سرپرستی میں
اسے بہکا نہیں سکتی زمانے کی فسوں کاری

اگرچہ گردشِ افلاک ہیں تیرے تعاقب میں
دبا سکتی نہیں لیکن تجھے حق کی طرفداری

تری بے باکیوں پر رشک ہے جبریلِ قرآں کو
ترے ''جوشِ عمل'' سے ''لرزہ تن'' تہذیبِ زناری

تجھے فرعونیوں کا ''فال وفر'' گھبرا نہیں سکتا
کہ ہے جلوے میں تیرے؛ حضرتِ یزداں کی قہاری

ترے شایاں نہیں اے ہم نفس! دریا کی خاموشی
ترا پیشہ تو ہے ''ہنگامۂ طوفاں'' کی گل کاری

زبوں حالی ہے تیری؛ قوم وملت کی زبوں حالی
جو ہے بیدار دکھلا ''سینۂ مرسل'' کی بیداری

ہر اک ذرہ تری قربانیٔ پیہم پہ شاہد ہے
سدا سے تو نے کی ہے؛ علم وحکمت کی ضیا باری

وہ ''شمعِ حق'' جسے روشن کیا ہو؛ برق وطوفاں نے
اسے خاموش کر سکتی نہیں؛ ساحر کی فن کاری

''مسلمانانِ عالم'' کو الٰہی! کچھ سمجھ دیدے
نہیں ان میں ابھی بھی دینِ احمدؐ سے وفاداری

علم ترا ''مرے محبوب اردو ٹائمز'' ہو اونچا
تری فطرت نہیں افکارِ باطل کی رواداری

تری اردو سے دنیائے ادب مسرور وشاداں ہے
کہ ہے تیری صحافت سے جہاں میں گرم بازاری

خزاں سے آشنا اس دور میں عنبر یہ کیا کم ہے
ترے جذبِ دروں کا چشمۂ فیاض ہے جاری

مرا شیوہ نہیں ''خلوت گزینی''
مری پہچان ہے ''اللہ بینی''

پرِ تکبیر کے شایاں نہیں حد
مجھے جچتی نہیں ''گردوں نشینی''

''مثالِ باد'' میں رہتا ہوں آزاد
حجازی ہوں نہ میں ہندی نہ چینی

ملے ہیں مجھ کو افلاکی تخیل
اگرچہ خاک ہے میری؛ زمینی

نہ رہ جامد کی صورت؛ لغو وبے کار
نہاں تجھ میں ہے ''عالم آفرینی''

اگر حق سے ہو رسم و راہ محکم
تو تیرا ہر نفَس حقی و دینی

تو ہے یزداں کا ''دست وپائے اعجاز''
نہ رکھ تن پر ''لباسِ نازنینی''

مری درویشیت زندہ ہے عنبر
مٹا پاتا کہاں دورِ مشینی

وہ نہیں ساقی جو ''وارفتۂ صہبا'' نہ ہوا
مردِ خوابیدہ کبھی ''صاحبِ فردا'' نہ ہوا
فقرِ حیدرؓ ہو تو عالم ہے ترے زیرِ نگیں
مردِ درویش کبھی دہر میں رسوا نہ ہوا
حسن ہی کیا جو زمانے میں ضیاء بار نہ ہو
عشق کیسا جو ''اسیرِ غمِ دنیا'' نہ ہوا
کیسے ''ویرانیِ کہنہ'' کی فضائیں سمٹیں
قیس مدت سے یہاں ''بادیہ پیما'' نہ ہوا
وہ جبیں؛ خوار وزبوں، ننگِ مسلمانی ہے
جس کے سجدے سے ''غزل خواں'' دلِ کعبہ نہ ہوا
ہائے وہ دلق؛ وہ سجادۂ اربابِ حرم
تن تو دل کش ہوا، دل معنیٔ زیبا نہ ہوا
پاک ہو روح؛ تو ہر فعل ہے ''الہامِ جلیل''
رائیگاں ایسے خدا مست کا فتویٰ نہ ہوا
طعنے دیتے ہیں تو دیں مجھ کو زمانے والے
میں تو سرخوش ہوں کہ اس روگ سے اچھا نہ ہوا
ہے وہی مرد خدا جس نے حوادث جھیلے
جی مگر ''متفقِ دیر وکلیسا'' نہ ہوا
مردمومن کے لئے ''معنیٔ پنہاں'' کیا ہے
ہے جو حق جو، اسے اللہ کا پردہ نہ ہوا
شانِ داؤد نمایاں ہوئی جس میں عنبر
اس سے بیگانہ جہاں کا کوئی ذرہ نہ ہوا

مسجد عثمان ابن عفانؓ (کالیڑا) کی تعمیر کے موقع پر

فضائیں مسکراتی ہیں، فرشتے گیت گاتے ہیں
کہیں جب حق کے دیوانے کوئی مسجد بناتے ہیں

''رسولِ پاکؐ'' نے ان کو بشارت یہ سنائی ہے
کہ ان کے واسطے اللہ بھی جنت بساتے ہیں

یہ وہ گھر ہے کہ ہے جس کو فقط اللہ سے نسبت
ملائک ہر گھڑی ہر وقت صبح وشام آتے ہیں

نہ کیوں خوشیاں منائیں آج مل کر اہلِ کالیڑا
فرشتے آکے رحمت کے یہاں پر، پر بچھاتے ہیں

بڑی شے ہے اکابر کا یہاں تشریف لے آنا
کہ ان کی آمد آمد سے یہ ذرے گنگناتے ہیں

مگر یہ مسجدِ عثمان بن عفان کہتی ہے
کہ دیکھیں کتنے بندے اب یہاں پر سر ٹکاتے ہیں

بہت آساں ہے بیت اللہ کی تعمیر کر دینا
بہت کم ہیں وہ بندے جو کوئی اس در پہ آتے ہیں

''خلوصِ دل'' سے جب کوئی یہاں پر سر جھکاتا ہے
زمین وآسماں بخشش کی خوشخبری سناتے ہیں

خدا اس قوم سے لیکن بہت ناراض ہوتے ہیں
جنہیں وہ دنیوی باتوں میں یاں مشغول پاتے ہیں

امام ومقتدی ہوں یا مؤذن ہوں کہ خادم ہو
وہ نام اپنا خدا کے پاس نیکوں میں لکھاتے ہیں

وہ ظالم اور دھوکہ باز، جھوٹے اور منافق ہیں
اذاں سن کر مساجد کو جو پیٹھ اپنی دکھاتے ہیں

نمازیں خود نمازی کی حفاظت کرتی جاتی ہیں
نمازی سے شیاطیں خود بخود دامن بچاتے ہیں

مبارک ہیں وہ بندے جن کو خدمت مل گئی اس کی
مبارک ہیں وہ بندے ہاتھ جو اپنا بٹاتے ہیں

نہ کیوں ہم اس کے ہوں عنبرؔ! کہ جس نے زندگی بخشی
اسی خاطر وہیں ہم اپنی پیشانی جھکاتے ہیں

ایک غیر مسلم کا سوال

مجھ سے اک روز کلہ پوش برہمن نے کہا
مرنے والی ہے مسلمان کی ''جنس توحید''

شمعِ اسلام تو لگتا ہے کہ بجھ جائے گی
پھر بھی آتا نہیں میداں میں کوئی ''ابنِ ولیدؓ''

جس طرف دیکھیے جاری ہے وہی جنگ وجدل
جس پہ اللہ نے مومن کو سنائی ہے وعید

ہر کوئی خود کو بڑا ''غیر'' کو ''دوں'' کہتا ہے
''باعثِ کفر'' ہے ان کے یہاں حق کی تقلید

وہ مسلمان؛ کہ جس پر تھا خدا بھی نازاں
آج اس قوم کی اس دور میں مٹی ہے پلید

کل کے مومن میں تھا؛ اک شوقِ شہادت پنہاں
آج مومن نہیں؛ خود ''ملتِ بیضاء'' ہے شہید

میں ہوں کافر؛ مجھے کیا دینِ سے لینا دینا
خود تری قوم میں ہے؛ ''دین ہدیٰ'' کی تردید

نت نئی طرز و روش تو نے بھی کرلی ایجاد
روز ہوتی ہے ترے دیں میں خرافاتی عید

ظاہراً ہر کوئی آتا ہے نظر ''شیخِ حرم''
''کنجِ عزلت'' میں وہ اعمال کہ شرمائے یزید

تم ہی بتلاؤ کہ کیسے کرے اسلام قبول
جس نے پائے نہ ہوں مومن میں علاماتِ سعید

ہم تو سمجھتے تھے یہی دین ہے بہتر عنبؔر
ہائے کیا کیجئے لگتا ہے یہی حق سے بعید

مومنِ صادق کا جواب

اے برہمن! تری ہر بات توجہ سے سنی
سچ کہا تو نے کہ ہم ''عاشقِ اسلام'' نہیں

ہے تو ہاتھوں میں مرے! بادۂ تہذیبِ فرنگ
حیف ہاتھوں میں تدین کا مگر جام نہیں

چھٹ گیا آہ! مسلمان سے ''دامانِ رسولؐ''
اب اُسے ملتِ بیضا سے کوئی کام نہیں

آج اسلام ہے اوراق کے سینوں میں نہاں
''خطۂ مردِ مسلماں'' میں مگر عام نہیں

قومِ مسلم کے گھروں میں ہیں بتوں کے جلوے
صبح ہوتی ہے گناہوں کی مگر شام نہیں

ہوگئے آہ! کہ اب ''شیخِ حرم'' ہی بیمار
زندگی ان کی بجز ''ہدیہ وانعام'' نہیں

برمحل گرچہ برہمن ہیں سوالات ترے
اس میں پھنس جائے مسلمان یہ وہ دام نہیں

آج بھی خواب سے ہو جائے یہ امت بیدار
اس کی تقدیر میں پھر گردشِ ایام نہیں

روز اول سے یہی فیصلہ اللہ کا ہے
دین بیزار کا اچھا کبھی انجام نہیں

نہیں اسلام برا میرے برا ہونے سے
ہے یہ اسلام کوئی ''فلسفۂ رام'' نہیں

اس کی خوبی پہ ہیں ''ادیانِ گزشتہ'' بھی گواہ
دینِ برحق ہے یہ، مجموعۂ اوہام نہیں

بس یہی دیں ہے زمانے کے لئے شرطِ نجات
ماسوا اس کے کوئی اور درو بام نہیں

یہ وہ مذہب ہے کہ منسوخ نہیں ہو سکتا
پختہ ہے اس کا ہر اک نقش، کوئی خام نہیں

یہ وہ ''تحریکِ جہاں گیر'' ہے عنبرؔ کہ جہاں
کام ہی کام ہے درکار فقط نام نہیں

آوازِ رحیل

قیامت خیز کیوں ہے ''گنبد گردوں'' کا نظارہ
اٹھ اے مومن کہ ہے شاید حوادث میں ترا تارہ

زمانہ تیغ زن ہے؛ آسماں ''آتش بداماں'' ہے
وہ ہیبت ہے؛ کہ دل میرا؛ ہوا جاتا ہے سی پارہ

ترے ہی آشیاں پر کیوں فلک بجلی گراتا ہے
تجھی کو کیوں بناتا ہے ہدف کافر کا طیارہ

تری اصلیت اے مومن! نہیں معلوم کیا تجھ کو؟
کبھی تیرے بھی قدموں میں تھا؛ ''تاجِ کشورِ دارا''

وہ دولت کیا ہوئی جس سے کہستاں کانپ جاتے تھے
وہ شوکت کیا ہوئی جس سے ہراساں تھا جہاں سارا

گزشتہ زندگی سے ہائے کچھ سیکھا نہیں تو نے
فرنگی طاقتوں سے کس لئے؛ ماضی میں تو ہارا

''کلیمی دبدبہ'' پیدا اخوت ہی سے ہوتا ہے
یہی دولت ''طلسمِ سامری'' کرتی ہے ناکارہ

جلادے گرمیٔ سوزِ نفس سے مغربیت کو
خدا کے دشمنوں نے پھر تری غیرت کو للکارا

بجھادے آتشِ نمرود پھر ''طوفانِ ایماں'' سے
کہ حق نے ''نــار کــونــی'' کا بجا ڈالا ہے نقارا

''رموز بادشاہی'' سے ہوا ناآشنا جب سے
غلامی نے بدل ڈالا تری تقدیر کا دھارا

تغافل کب تلک؟ سینوں میں ''روحِ عشق'' پیدا کر!
''سحر خیزی'' سے ہے محروم تیری جانِ آوارہ

''بغیر از سوز و سازِ زندگی'' سب کچھ ہے لاحاصل
یہ وہ نقصان ہے جس کا نہیں کوئی بھی کفارہ

''حدیثِ بوعلی سینا'' ہو، یا ہو ''فقہِ نعمانؒ''
اگر تجھ میں نہ ہو خوئے علیؓ؛ پھر اُدُھلوا نارا

عراقی لاڈلے! یہ آگ گلشن ہونے والی ہے
''خلیلِ بت شکن'' کی سرزمیں ہے تیرا گہوارا

جو ٹکرائے گا فرزندانِ توحید ورسالت سے
لیے پھرتا رہے گا تاابد لعنت کا پشتارہ

شرر پیدا کر اپنی خاک میں؛ عنبر جواں ہو کر
تعطل چھوڑ دے؛ ثابت نہ رہ؛ بن ''رشکِ سیارہ''

الاخوان المسلمون

سعودی عرب اور مصری فوج

عجب خوں ریز، دہشت ناک سا منظر ہے عالم کا
لہو پانی سے ارزاں ہو گیا اب ابن آدم کا

نہ وہ پہلی سی ایمانی حرارت ہی رہی باقی
نہ آنسو پونچھنے والا کسی کی چشم پرنم کا

خدا کے نام لیوا ہیں حوادث کے تھپیڑوں میں
مسلسل امتحاں جاری ہے ان کی سعیِ محکم کا

جراحت دینے والوں کی جہاں میں ہے فراوانی
نہیں سننے کو ملتا آب و گل میں نام مرہم کا

وہ خاکِ مصر فرعونی حکومت جس پہ قائم تھی
وہیں سکہ جما ہے آج کل سیسی کے پرچم کا

وہ سیسی جس کو عصرِ نو کا اک فرعونِ نو کہیے
جو دیتا ہے شرابیں، نام دے کر آب زم زم کا

ادھر مرسی کی صورت میں کھڑا ہے وقت کا موسیٰ
ادھر ظلم و ستم جاری ہے اک فرعون اعظم کا

ادھر اخوانیوں کی حق پسندی کا نظارہ ہے
ادھر قہر و غضب طاغوتیوں کے زور و دم خم کا

وہ زہر موت آور، شیخ از ہر جس کو کہتے ہیں
وہ شاید بھول بیٹھے درس دینار بط باہم کا

سبھی اخوانیوں کا خوں بہانا عینِ طاعت ہے
یہ فتویٰ ہے علی کا یعنی امریکہ کے ہمدم کا

اسے مفتی نہ کہیے وقت کا ابلیسِ اکبر ہے
جو جائز مانتا ہو خونِ ناحق ابن آدم کا

مَرض سے قوم مسلم کی خلاصی ہو تو کیوں کر ہو
گلا جکڑے ہوئے ہو سر بسر جب ابنِ مریم کا

یہاں اب دینِ حق کا نام لینا جرم اعظم ہے
یہاں سچ بولنے پر حشر ہو جاتا ہے ماتم کا

یہاں یوسف کی خاطر ہر قدم دیوارِ زنداں ہے
کھلا ہے ہر طرف رستہ یہاں کفرِ مجسم کا

غضب ہے صرصرِ عصیاں چلی ہے اب سعودی سے
کہ جانچے حوصلہ شمعِ حرم کے جوش پیہم کا

جہاں دینِ ہدیٰ کو اور بھی مضبوط ہونا تھا
وہیں اب کھیل جاری ہو گیا دینار و درہم کا

بھروسہ جس پہ لازم تھا خدا کی ذاتِ اطہر پر
اسی پر خوف طاری آج اسرائیل کے بم کا

حرم کو کر دیا رسوا حرم کے پاسبانوں نے
بنے بیٹھے ہیں شانہ دشمنوں کی زلف برہم کا

مرے اخوانیو! تائید غیبی آنے والی ہے
مداوا ہونے والا ہے تمہارے دردِ پرغم کا

اٹھو تکبیر ایمانی سے اک محشر بپا کر دو
کہ شعلوں کے زمانے میں نہیں اب کام شبنم کا

ابھی بھی دھار سے مملو ہے تیرے نیل کا پانی
ترا بازو ہے سہرابی، ترا سینہ ہے رستم کا

جسے جامِ سفالِ اہلِ یورپ بھا گیا عنبرؔ
کہاں سے اس کے دل میں شوق آئے ساغرِ جم کا

عراقی جیالوں سے

رکھی گئی ہو عزیمت پہ گر تری بنیاد
تو تو ہی ''فاتحِ خیبر''، تو ہی خلیل نہاد

تری رگوں میں ہے خونِ محمدؐ عربیؐ
ترا شعار نہیں غم میں نالۂ وفریاد

تری زمیں میں ہے وہ خاک وخون پوشیدہ
جچی نہ جن کی نگاہوں میں شوکت شداد

''خلافِ فطرتِ مومن'' ہے خوف طوفاں کا
جھکا نہ پائے گا تجھ کو ''ہلاکوئے جلاد''

فلک کے چاند ستارے دعائیں کرتے ہیں
خدا کرے کہ اجڑ جائے خانۂ صیّاد

مٹا سکیں گے نہ تجھ کو عدو کے طیارے
کہ تجھ میں ''عادلِ نوشیرواں'' کا ہے بغداد

تو اپنی ''عظمتِ ماضی'' کو پائمال نہ کر
کہ انحراف ہے؛ مومن کی آنکھ میں الحاد

تری سرشت میں ہے حیدریؓ وسلمانیؓ
نہ کر ''ملالِ ستم''، فکر وغم سے رہ آزاد

وہ درس دے کہ ابد تک اسے بھلا نہ سکیں
ترے وطن میں ہیں ''امریکی وفرنگ نژاد''

ترے شرر میں ہے پنہاں؛ وہ ''شعلہ سامانی''
کہ جس سے عالمِ مغرب ہو پل میں خاک ورماد

جواں ہے گرچہ زمانے میں آتشِ نمرود
خلیل ہے تو نہیں تجھ کو خطرۂ افتاد

خودی کی موت ہے ''اندیشہ ہائے گونا گوں''
جو مرد ہے؛ تو کلیمی سے کر جہاں آباد

عراق ''جلوہ گہِ معجزاتِ یزداں'' ہے
ہے ذرہ ذرہ یہاں کا جنیدؒ اور حمادؒ

جہاں ہے تیرے کرشمے کا منتظر صدام
وہ درد دے کہ ''کراہے'' بُش ذوی الاوتاد

تو اپنی ظاہری کوتاہ دامنی کو نہ دیکھ
یہ دیکھ کیسے ہوئے کامراں ترے اجداد

''شہیدِ عشق''، کبھی موت سے نہیں ڈرتا
کہ اس کے دین میں دلچسپ مشغلہ ہے جہاد

ترا متاع ہے عنبر جہانِ الا ھـــــو
ہے تیرے سامنے کیا چیز یہ عروسِ بلاد

ترے سوز سے تھیں رواں کبھی، ''تنِ مردہ دل'' میں حرارتیں
ہیں جہاں کو یاد ابھی تلک، تری جاں نواز کرامتیں
تری خاک میں ہے وہ شے نہاں، جو ہے عرش سے بھی عظیم تر
ترے ''جوشِ عزم'' کے سامنے ہیں خمیدہ ساری جسارتیں
یہ کھلا ہے مجھ پہ کہ تیرے دم سے ہے کائنات میں زندگی
تو ہے رازِ روحِ محمدی، تو ہے حق کی زندہ علامتیں
مجھے ''کارگاہِ حیات'' میں، کسی زندہ دل کی تلاش ہے
جو صدائے ''ھـــو'' سے اکھاڑ ڈالے، ضلالتوں کی عمارتیں
مرے ہم نفس! کوئی چارہ کر، ترے ہاتھ اب بھی ہیں بے ہنر
جو ہے ''مردِ حر'' تو عمل دکھا، نہ سنا پرانی حکایتیں
تو ہے ''شانِ قوتِ حیدریؓ'' نہ پکار یوں ہی علی علی
جو تفنگ وتیغ ہو کس لئے؛ وہ دکھائے گل سی نزاکتیں
مجھے ڈر ہے جاں کا زیاں نہ ہو، تری زندگی کا یہ زیر وبم
تری دشمنوں سے ہے دوستی، ترے بھائیوں سے عداوتیں
تو ہے گر ''خلیفۂ مصطفیٰؐ'' تو چراغ اپنا جلائے جا
کہ ابھی تو اور بھی تیز تر ہیں؛ ابولہب کی شرارتیں
کوئی معرکہ ہو؛ سعادتوں سے نہیں ہے خالی جوانِ حق
کبھی کامراں ہیں نصیب سے کبھی قسمتوں میں شہادتیں
وہی ''مشتری'' مرے باغ کا جو خوشی سے دار پہ چڑھ گیا
''دمِ نزع'' عنبرِ سوختہ، رہیں لب پہ جاری تلاوتیں

مومن اور کافر

اک ''طفلکِ معصوم'' نے اک روز یہ پوچھا
کیا بات کہ ہر سمت ہے کفار کی بس دھوم

دنیا کے سبھی عیش و تنعّم کے وہ مالک
مومن کے لئے ''دولتِ دنیا'' ہوئی موہوم

بدلے ہیں زمانے کے اس انداز سے حالات
ظالم ہیں اسی حال میں، مظلوم ہیں مظلوم

ہم غم کے سبھی طوق وسلاسل میں گرفتار
وہ ''عالمِ مستی'' میں ملک زادہ ومخدوم

اللہ ہمارا ہے تو پھر ہم کو بتائیں
کیوں ''امتِ اوسط'' ہے ''عنایات'' سے محروم

میں نے کہا ''از راہِ تاسف'' یہ جواباً
سنتا ہے تو سن غور سے؛ اے طفلکِ معصوم!

مومن جسے کہتے ہیں وہ دنیا میں کہاں اب
اس صفحۂ ہستی سے سبھی ہوگئے معدوم

اعمال ہیں ناپید، فقط رہ گئے دعوے
مسلم تو ہے انداز مسلماں نہیں معلوم

جب تک تری فطرت نہ ہو ''باذوق وہنر مند''
ہے ''شوکتِ حیدرؓ'' نہ تری، ''سلطنتِ روم''

بتلادے مجھے ''آج ہے مجموعۂ شر'' کون؟
ہے کس کی فضاؤں میں رواں ''صرصرِ مسموم''

ہے سچا مسلمان وہی ''دَیرِ فنا'' میں
جو کاٹ کے رکھ دیتا ہو شہوات کے حلقوم

مومن ہے تو ''الطاف الٰہی'' تری قسمت
کافر ہے تو دوزخ ترا گھر، ناشتہ زقّوم

سعودی عرب سے

''مکہ'' ہے تری ذات، ''مدینہ'' ہے تری ذات
ہے تیرے ہراک ہاتھ میں ''کونین'' کی سوغات
''جبریل'' کے پیغام سے پر، تیری فضائیں
ہر شے پہ منقش تری؛ قرآن کی آیات
ہے تیری زمیں ''مہبطِ انوارِ الٰہی''
سرکار کے رخسار سے تاباں؛ ترے ذرات
ہے خاک تری ''گوہرِ نایاب'' کا مخزن
وہ جن پہ دل وجاں سے فدا ارض وسماوات
حاصل ہے تجھے ''منبعِ ایماں'' کی فضیلت
حامل ترے افکار کے؛ فطرت کے اشارات
ہے تجھ سے محبت مرے ایمان کا حصہ
ہے تیرا جہاں ''مصدرِ الطاف وعنایات''
ہر دم تری آنکھوں میں ہے کعبے کی تجلی
ہر پل ترے آنگن میں ملائک کی ہے بارات
''فیاضِ ازل'' عاشق و وارفتہ تمہارا
ہر آن ہے انعام ومدارات کی برسات
اے وہ کہ مسلمان کی شوکت ہے تجھی سے
اے وہ کہ نرالی ہے جہاں میں تری ہر بات
اے ارض عرب! اے مرے آقا کے امینو!
بے تیرے مرا دین؛ خرافات ومحالات
کس منہ سے کرے ''عنبرِ بے دم'' تری توصیف
کوتاہ یہاں مدح کے الفاظ وعبارات

امریکہ

نہیں ملتا ہے جب کچھ مشغلہ ''مجنون ناداں'' کو
کبھی پھاڑے ہے دامن کو کبھی چیرے ''گریباں'' کو

حوادث جب زمیں کی ''لالہ زاری'' چھین لیتے ہیں
تو ''طوفانِ غضب'' غصے میں لے آتا ہے دہقاں کو

نظر آتے نہیں پھر اپنے دل کے بدنما دھبے
کتر دیتے ہیں الٹا دوسروں کے صاف داماں کو

مظالم ''ظلم پیشوں'' کے؛ گزر جاتے ہیں جب حد سے
مسلط پھر خدا کرتا ہے ان پر یاس وحرماں کو

بچے تھے جتنے صاحب دل؛ خرد سے ہاتھ دھو بیٹھے
زمانے نے سکھایا بس جفاؤ جور انساں کو

اٹھی ہیں اب فلک کی سمت؛ نگرانوں کی بندوقیں
بنایا برق نے جب خاک وخوں قارون وہاماں کو

درندوں کو بجز مردم دری کے کچھ نہیں آتا
بھلا الو بھی رکھتے ہیں کہیں رنگیں گلستاں کو؟

کسی کے کارنامے ہوں، کسی کی چالبازی ہو
مگر ظالم کی نظریں دیکھتی ہیں بس مسلماں کو

''اسامہ'' کیا ہے اک حیلہ بنا ہے خوں بہانے کا
دلوں میں ہے مٹادیں صفحۂ ہستی سے ''ایماں'' کو

چلی ہیں آندھیاں ہر سمت سے کفر وضلالت کی
تمنا ہے بجھا ڈالیں چراغِ راہِ یزداں کو

الٰہی جو ''خیالی خواب'' امریکہ نے دیکھا ہے
نہ کر ''شرمندۂ تعبیر'' اس ''خوابِ پریشاں'' کو

زمیں ''زورِ حوادث'' سے ہے بنجر ''قومِ مسلم'' کی
خدایا کردے پھر آباد اس کی ''کشتِ ویراں'' کو

مسلمانوں کو اے اللہ اب تو بال و پر بدر دے دے
علیؓ کی ہمتیں، فاروقؓ کا سوزِ جگر دے دے

دل کو یادِ حق سے اے ہشیار! تو غافل نہ کر
''آتشِ دوزخ'' میں اپنے آپ کو داخل نہ کر
تو سمندر ہے؛ تو ''طغیانی'' ہے تیری زندگی
اپنی فطرت کو ''شکارِ لذتِ ساحل'' نہ کر
کر زمانے کی اداؤں سے مکمل ''انحراف''
اپنی ہستی کو ''شریکِ زمرۂ جاہل'' نہ کر
ترک کردے ''جستجوئے حسنِ عالم تاب'' تو
''درمیانِ عشقِ رب'' ''اصنام'' کو حائل نہ کر
مردِ مومن ہے تو دنیا کے حسینوں پر نہ جا
کعبۂ دل کو مکدر اے ''مہ کامل'' نہ کر
جو ترے ہاتھوں سے جا نکلا اسے مڑ کر نہ دیکھ
حرفِ باطل کو ''کتابِ زیست'' میں شامل نہ کر
کون ہے جس نے چکھی ہو ''لذتِ آبِ حیات''
عارضی ''نقشِ منور'' پر نچھاور دل نہ کر
کشتیِ جاں لے کے چل! تو ''شانِ استغناء'' کے ساتھ
''مثلِ خورشیدِ مسا'' آنکھیں کہیں مائل نہ کر
''لیلیٰ آتش قبا'' تیرے لئے زیبا نہیں
اپنی جاں ''وقفِ تلاشِ پردۂ محمل'' نہ کر
تھک کے رک جانا میاں عنبرؔ نہیں ''کارِ عقاب''
ہے ''پرِ پرواز'' تو پیدا کوئی منزل نہ کر

عداوت کی گھٹا چھٹ جائے؛ میرا تیرا غم نکلے
چلو اس ''بزم'' سے تیرے لئے ہم ''ہٹ دھرم'' نکلے
گلستاں کی بہاروں سے نہ ٹکرائے ''خزاں'' کوئی
اسی خاطر ''درونِ کعبہ'' سے سارے صنم نکلے
عجب دنیا ہے اور دنیا کی یہ رنگینیاں؛ توبہ
جسے سمجھا کئے ہمدم وہ امریکہ کے بم نکلے
عزائم تھے کہ میں طوفاں میں ہی مشعل جلاؤں گا
حوادث کی ''جفا کوشی'' میں چاہے میرا دم نکلے
مری فطرت ہے دنیا کی دغابازی پہ مسکانا
مرے منہ سے بھلا کیوں کر کوئی بھی ''حرفِ ذم'' نکلے
نہ سمجھا پر نہ سمجھا میں نے ''اقراء'' کی فضاؤں کو
سبھی شاہیں یہاں کے ''ماہرِ تیغِ ستم'' نکلے
نہ ''افلاکی تخیل'' نے اخوت کی جہاں گیری
وہ انداز وادا جس سے مسلماں کا بھرم نکلے
جگر میرا کہ ''بحر خشک'' میں کی میں نے غواصی
ہزاروں لوگ جس میں ''رہروِ ملکِ عدم'' نکلے
تجھے ہم نے محبت کی، ''وفا کی جان'' مانا تھا
تری نظروں میں ہم لیکن کوئی ''خارِ الم'' نکلے
جہاں کے گوشے گوشے چھان ڈالے میں نے اے عصمت
بہت جلاد نکلے پر تری مانند کم نکلے
نئے انداز کا عنبر نے لکھ ڈالا ہے استعفیٰ
کہ مدت کی ترے دل کی بھڑاس ؛اے محترم نکلے

آزادی کے بعد

تاسف ہے کہ کج دل آج کے ہر ''ذی اثر'' نکلے
''جہانِ حسنِ عالم سوز'' میں سب دردِ سر نکلے

رہی ممنونِ آغوشِ محبت؛ مورِ بے مایہ
مجھے آنکھیں دکھائیں جب کہ ان کے بال و پر نکلے

بھلا دی اس نے ساری داستانِ خوں چکاں یکسر
لئے ''دعوائے باطل'' مجھ پہ سینہ تان کر نکلے

فضائے سنگ دل! کیا بھول بیٹھی ہے فسانے کو؟
لئے ہاتھوں میں شیخ الہندؒ جب تیغ و تبر نکلے؟

حسین احمدؒ کہ جس نے ''مغربی لشکر'' کئے زخمی
وہ ''سندھی'' جو کہ ''کابل'' کے لئے اکسیر گر نکلے

تعجب ہے ترا قرطاس کتنا تنگ دامن ہے
کہ اس سے ''قائدینِ اہلِ ایماں'' سر بسر نکلے

بنایا کس نے ہندستان کو جنت نما؟ بولو
فرنگی لوٹ کر جب ہند کے لعل و گہر نکلے

''زمینِ ہند'' شاید کھو چکی ''آدابِ زر خیزی''
وگر نہ کیا سبب سارے شجر ہی بدثمر نکلے

قیامت ہے کہ ''خونِ آدمیت'' ہوگیا پانی
حجازی باپ کی آغوش سے ''ہندی پسر'' نکلے

جنہیں ذوقِ تدبر، فکرِ فردا بھی نہ تھا کل تک
وہی بے حس زمانے میں ''شہِ اہلِ نظر'' نکلے

''سکوتِ نقشِ پا'' میں اک ''جہانِ راز'' مضمر ہے
وگر نہ ''ہر بن مو'' سے مرے؛ آہ وشرر نکلے

منائیں کیسے جشنِ حُریت ہم اے وطن آخر
ہماری آنکھ سے دریائے خوں جب سر بہ سر نکلے

چمن کی فکر کی بلبل ؛ کہ ویرانی کی آمد ہے
کہ قسمت اپنی وہ کھویا کئے؛ جو بے خبر نکلے

مٹادے دہر سے دشمن؛ ''تگا پوئے دما دم'' سے
کہ پھر سے ''بیشۂ ایمان'' میں شیر ببر نکلے

الٰہی زورِ حیدرؓ دے؛ ہمارے ''ہم صفیروں'' کو
گلستاں میں کوئی پھر باخبر ''مثلِ عمرؓ'' نکلے

مجھے آواز آتی ہے ''حجابِ غیب'' سے عنبر
''شبِ غم'' جھیل لے! نزدیک ہے ''نورِ سحر'' نکلے

دورِ حاضر کی سیاست

سچ تو جیسے کوئی ''فسانہ'' ہوا
ہر کوئی ''جھوٹ'' کا دوانہ ہوا

قتل وغارت گری کا عالم ہے
امن قائم ہوئے زمانہ ہوا

تھی ضرورت تو پاؤں پڑتے تھے
تخت پایا تو سامنا نہ ہوا

''عہد حاضر'' کے ''سورماؤں'' سے
ہائے کیا کیا ستم روا نہ ہوا

یا الٰہی یہ ''لیڈری'' کیا ہے
آج تک کوئی پارسا نہ ہوا

قصر شاہی میں اب وہ رہتا ہے
کل جسے ایک بوریا نہ ہوا

جس نے رشوت کا فیض عام کیا
ملک کا حافظِ خزانہ ہوا

فرقہ بندی ہے جس کی رگ میں رواں
اس کا انداز ''مشفقانہ'' ہوا

ہٹ دھرم، ناسمجھ زعیموں کا
کام تھا کون، جو بھلا نہ ہوا؟

عدل وانصاف کا جو خوگر تھا
وہ حکومت کے کام کا نہ ہوا

بے نواؤں کا، بے سہاروں کا
ہائے دنیا میں آسرا نہ ہوا

یہ سیاست ہے؛ ''دیں'' نہیں پیارے
جو برا ہوگیا؛ برا نہ ہوا

دل ہے اس باب میں زباں کا حریف
ہر عمل یاں منافقانہ ہوا

ہوگیا ملک؛ آگ خون تو کیا
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

لیڈروں کا خطاب یا اللہ
''بے بیانِ اجودھیا'' نہ ہوا

ان مریضوں کو فخر ہے عنبر
درد ''منت کشِ دوا'' نہ ہوا

دورِ حاضر کے علماءِ سوء

صورت میں ولی اور طبیعت میں ہیں ''انگریز''
اس دور کے ''ملا'' نہیں چنگیز ہیں چنگیز
اب تیری نواؤں میں نہیں ''جوہرِ تاثیر''
سونے دے زمانے کو؛ چپ اے ''مرغِ سحر خیز''
حق بات بتانے میں نہیں مجھ کو کوئی عار
جتنے بھی ہیں ''شیخانِ حرم'' سب ہیں ''شر انگیز''
ہے بغض وعداوت سے عبارت تری ہستی
مانا ترا ''اندازِ خطیبانہ'' ہے ''گل ریز''
تم ''شمعِ حرم'' کو تو بجھانے پہ تلے ہو
ہم ''بادہ کشوں'' ہی سے ہے اسلام کی لو تیز
کعبے کے مسلماں ہی سے بت خانہ ہے آباد
اور آتا ہے ''آغوشِ صنم خانہ'' سے تبریز
جس علم سے ''پندار کا بت'' ٹوٹ نہ جائے
اس علم سے اچھا تو ہے ''افسانۂ پرویز''
دائم نہیں ''آسائشِ گہوارۂ گلشن''
نخوت تری بے جا ہے؛ سن اے ''غنچۂ نوخیز''
ہنگامہ ہے ہر سمت؛ سحر ہوگئی عنبر
از خوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں خیز

دنیا

دنیا ہے نام؛ دجل وسراب وخیال کا
بھولے سے نام مت لے یہاں اس وبال کا
اس ''زلفِ مشک بو'' پہ نہ اترائیں اس قدر
ایسا نہ ہو کہ یہ کوئی گیسو ہو ''زال'' کا
حال ومآل سے نہیں اس کا کوئی بھی ربط
''آشفتہ حال'' جو ہے ''فریبِ جمال'' کا
روز ایک زخم دے کے رلائے ہے وہ مگر
چارہ نہ کچھ کرے ہے کبھی اندمال کا
ظاہر میں اس کی آگ تو آنکھوں کا نور ہے
آغاز ہے مگر یہ تمہارے زوال کا
اے ''طائرِ حریص''! اتر؛ دیکھ بھال کر
دانہ نہیں؛ یہ تار ہے رنگین جال کا
نغموں پہ کر نظر؛ نہ فقط روئے یار دیکھ
''جذبِ دروں'' بھی دیکھ لے اس خوش مقال کا
''بسیار خور'' کا کبھی بھرتا نہیں شکم
رہتا ہے ہر گھڑی وہ طلبگار مال کا
دنیا کو چھوڑ! ''کوششِ عیشِ دوام'' کر
فرمان تجھ سے ہے یہ خدائے جلال کا
عنبر ہے چند روزہ یہ ''رنگینیٔ بہار''
میداں ہے اصل میں یہ جواب وسوال کا

صحابۂ کرامؓ

رسول اللہ کے سانچے میں صدفی صد جو ڈھلتے ہیں
وہی ''اصحابؓ'' کہلاتے ہیں ''جنت'' میں ٹہلتے ہیں

وہی اصحاب جو ''دین ہدیٰ'' کے واسطے ہر دم
کبھی کانٹوں پہ چلتے ہیں کبھی گرمی میں جلتے ہیں

کبھی ہیں ''غزوۂ بدر واحد'' میں خیمہ زن دیکھو
کبھی باطل کے سر کو ''جنگِ خیبر'' میں کچلتے ہیں

خراش آئے مرے محبوبؐ کو یہ ہو نہیں سکتا
پیمبرؐ کے صحابہؓ میں یہی جذبات پلتے ہیں

کیا اللہ نے ان کو عطا قلب وجگر ایسا
کہ جن کے ڈر سے اب بھی کفر کے سینے دہلتے ہیں

ابوبکرؓ وعمرؓ ہوں یا کہ ہوں عثمانؓ یا حیدرؓ
سبھی دل میں نبی کے عشق کے چشمے ابلتے ہیں

وہی جن کے سہارے ''پرچمِ اسلام'' لہرایا
وہی جو ''عشقِ پیغمبرؐ'' میں ہر لمحہ مچلتے ہیں

وہی جن کو خدائے پاک نے ''معیار'' ٹھہرایا
وہی جو آیۂ قرآن وسنت سے بہلتے ہیں

فرشتوں میں ہیں جن کی عظمت وتقدیس کے نغمے
وہ جن کے نام سے سینے مسلماں کے اچھلتے ہیں

نہ ہوتی یہ جماعت تو ہمیں دیں کیسے مل جاتا؟
انھی کے فیض سے ہم لوگ راہ حق پہ چلتے ہیں

وہ دشمن ہیں صحابہؓ کے وہ دشمن ہیں پیمبرؐ کے
جو ان کی شان میں گستاخ تر جملے اگلتے ہیں

خدا شاہد؛ کہ جن کے دل میں کینے ہیں صحابہؓ کے
ہمیشہ مرتے دم تک وہ ''کفِ افسوس'' ملتے ہیں

انہیں حبِّ نبیؐ کی کوئی خوشبو آ نہیں سکتی
جو گرگٹ کی طرح ہر وقت رنگ اپنا بدلتے ہیں

خدا نے ان کو بخشے اپنی خوشنودی کے پروانے
بتاؤ اے مریضو! کیوں تمہارے دم نکلتے ہیں؟

عقیدہ ہے ہمارا روز اول سے یہی عنبرؔ
صحابہؓ کے فدائی ہی ''رہِ جنت'' پہ چلتے ہیں

ماڈرن بنتِ حوّا سے

تری غیرت کہاں ہے تو نہیں رکتی ہے اندر کیوں
شرافت تھی اگر تجھ میں تو نکلی گھر سے باہر کیوں

ترا زیور حیا ہے، پاکبازی ہے، امانت ہے
لگاتی ہے مسلسل آج کل باہر کے چکر کیوں

جو ہو انمول شے پردہ ہی اس کو زیب دیتا ہے
تو پھر بیرونِ در ہو کر چلا کرتی ہے تن کر کیوں

تمہارے حسن و رعنائی پہ حق ہے صرف شوہر کا
ملا کرتی ہے نامحرم جواں سالوں سے بڑھ کر کیوں

تری عظمت ہے شاید اب تلک تجھ سے چھپی ورنہ
نظر آتی ہے ہر ہر گام مردوں کے برابر کیوں

جمالِ عقل بر دنیا کو گر شیریں نہ دکھلاتی
تو پھر فرہاد تیشہ تان لیتا اپنے سر پر کیوں

تجھے دنیا نے صد افسوس چوپایہ بنا ڈالا
رہا کرتی ہے غیروں کے لئے ہر دم میسر کیوں

تری عصمت کی بربادی تری مرہونِ منت ہے
نہ ہو حسنِ نمایاں، عشق کا نکلے گا اجگر کیوں

چلو مانا ترے دل میں نہیں ذوقِ گنہ لیکن
کوئی پیغام پہنچانے کو پھر بالِ کبوتر کیوں

ڈبونا چاہتا ہے یہ زمانہ تری عزت کو
ہوس کی غیر جائز چاہ میں رہتی ہے اکثر کیوں

مجھے معلوم ہے حق بات کتنی تلخ ہوتی ہے
مگر حق بولتے رہنے سے باز آجائے عنبر کیوں؟

غزلیات

جلاتی جائے بجلی، ہم نہ چھوڑیں گے مشن اپنا
نشیمن جب تلک قائم نہ ہوگا دم نہیں لیں گے

زمانے بھر کی جھیلی ہیں مسلسل تلخیاں میں نے
نکالیں نوکِ سوزن سے ہزاروں برچھیاں میں نے

مرے جوشِ جنوں کو کیا سمجھتے ہیں جہاں والے
ابھی تک پھاڑ ڈالی ہیں کروڑوں وردیاں میں نے

مری داڑھی سے میرے دشمنوں پر خوف طاری ہے
دکھائی ہیں کہاں اب تک چھپی سرگرمیاں میں نے

نہ جانے خونِ مسلم کو وہ ظالم کیا سمجھتے ہیں
بتادیں جبکہ لکھ کر افسروں کو پرچیاں میں نے

مجھے کچھ دن سے اب کچھ لوگ دہشت گرد کہتے ہیں
بڑھالی ہیں جوان کافر سے تھوڑی دوریاں میں نے

وہ یوں بچتا ہے مجھ سے جیسے ساحل موجِ دریا سے
بتادی ہیں جو تھوڑی سی انہیں مجبوریاں میں نے

اسی پر اہلِ دنیا جانے کیوں کر جان دیتے ہیں
نہ دیکھی جز برائی ''دل ربا'' میں خوبیاں میں نے

حسد سے سینۂ دشمن ہے گویا آگ کی بھٹی
بجائیں جب عنادل کی نوا پر تالیاں میں نے

میں اہلِ حق ہوں مجھ کو زیر کرنا غیر ممکن ہے
کہ بھر رکھی ہیں اپنے بازوؤں میں بجلیاں میں نے

وفاداری نہ راس آئی، کبھی اے صاحبو مجھ کو
بہت کھائی ہیں اپنے بھائیوں سے گالیاں میں نے

مری سادہ مزاجی پر کوئی دھوکہ نہ دے عنبر
نہیں کھیلی ہیں طفلی میں بھی کچی گولیاں میں نے

نہ غنچوں کی چٹک مجھ میں، نہ پھولوں کی مہک مجھ میں
نہ بجلی کی چمک مجھ میں نہ شعلے کی لپک مجھ میں

خدا معلوم کیوں اپنا ہدف مجھ کو بناتا ہے
نہ جانے دیکھتا کیا ہے تواتر سے فلک مجھ میں

کسی قیمت میں اپنے دیں کا سودا کر نہیں سکتا
نہ آئی ہے نہ آسکتی ہے ادنیٰ سی لچک مجھ میں

زمانہ ہوگیا گزرے ہوئے فصلِ بہاراں کو
ابھی تک ہے مگر تازہ جدائی کی کسک مجھ میں

مجھے احباب اپنی بزم میں کیوں یاد فرمائیں
نہ سونے کی چمک مجھ میں نہ دولت کی کھنک مجھ میں

سیہ باطن ہوں لیکن نیک بختی تو مری دیکھ
ابھی تک ہے جواں تر داغِ لالہ کی دمک مجھ میں

عمل کو تہ سہی، پر دشمنانِ دین یہ سن لیں
ابھی بھی روشن وتاباں ہے فاروقی جھلک مجھ میں

نصیحت کرنے بیٹھوں تو صلہ ملتا ہے یہ عنبر
کہیں ہیں لوگ تھوڑی سی یقیناً ہے سنک مجھ میں

ملاّ نے ترکِ دیں کیا دستار پھینک کر
پنڈت بھی دَیر سے گیا زنار پھینک کر

بد مذہبی کا دورِ ترقی یہ دیکھئے
دنیا خرید لیتے ہیں کردار پھینک کر

اک نازنیں سے اس کی نگہ چار کیا ہوئی
نادان سو گیا دل بیدار پھینک کر

تم بھی وفائے تام کا آ کر ثبوت دو
ہم خالی ہاتھ ہو چکے تلوار پھینک کر

اس سادگی کا نام بھی رکھیں تو کیا رکھیں
کشتی چلانے بیٹھے ہیں پتوار پھینک کر

اس کو ہے اس لباس پہ اب بے پنہ غرور
جس کو میں آ گیا سرِ بازار پھینک کر

عنبر یہ ایک دانہ بھی شے ہے بہت بڑی
برباد کر نہ دیجئے زنہار پھینک کر

تیرہ و تار رات ہے ، منزل پہ کوئی جائے کیوں
خود گم ہے ہر بشر یہاں، رستہ کوئی بتائے کیوں

کہتے ہیں یاں فریب کو، عقل و خرد کی چوکسی
اپنوں سے سب کو بیر ہے، غیروں کا غم اٹھائے کیوں

دنیا میں اب غریب کا، کوئی نہیں ہے غم گسار
جا کر کسی امیر کا دروازہ کھٹکھٹائے کیوں

دونوں ہی جب شریک ہیں، بزم کے خوب و زشت میں
ہم دھوپ دھوپ کیوں چلیں، وہ جائے سائے سائے کیوں

حسن پر زور جب نہیں، عشق پر زور کیوں رہے
میری فغان و آہ پر، بندش کوئی لگائے کیوں؟

جس کے لئے حجاب تھا، جب وہ حجاب میں نہیں
زخمِ جگر بھی ہم نفس! پردے میں منہ چھپائے کیوں

اہل خرد کے پاس جب، پاسِ وفا نہیں رہا
مجنوں تو بے لگام ہے، وعدہ کوئی نبھائے کیوں؟

اندھا بنا دیا تمہیں، دولت کی ریل پیل نے
مفلس تری نگاہ میں، تم ہی بتاؤ بھائے کیوں

کہتے ہیں یادِ یار بھی بادِ جناں سے کم نہیں
عنبر ترے دماغ میں، یہ نکتہ آج آئے کیوں؟

چھا گئی مجھ پہ دیوانگی، عقل بے بال و پر ہوگئی
یا خدا میرے حالات پر جانے کس کی نظر ہوگئی

وصل کی خوبصورت یہ شب جانے کیوں مختصر ہوگئی
دید کو سوچتا ہی رہا اور پل میں سحر ہوگئی

دیکھئے یہ بھی قسمت مری، جب بھی قائم ہوا آشیاں
آندھیوں کو پتہ لگ گیا، بجلیوں کو خبر ہوگئی

مانگنا جس کو آتا نہ تھا اس پہ برسات ہوتی رہی
کم نصیبی مری دیکھئے ہر دعا بے اثر ہوگئی

قلب میں جب امنگیں رہیں فاصلے مجھ سے رکھا کئے
اب مرے پاس آئے ہیں وہ، جب خمیدہ کمر ہوگئی

ظلم کا کس سے شکوہ کروں، کون سنتا ہے درویش کی
وہ ستم گر جدھر ہوگیا ساری دنیا ادھر ہوگئی

دیکھنا وقت کی دو رخی ان کا ہر عیب سب پی گئے
مجھ سے اک چوک کیا ہوگئی، ہر طرف مشتہر ہوگئی

جس کی تقدیر میں ہو نمو روکنا اس کو ممکن نہیں
اس نے اتنا مٹایا مجھے میری ہستی امر ہوگئی

وہ نہیں تجھ پہ گر مہرباں، عنبرِ بے نوا غم نہ کر
عمر یوں بھی گزر جائے گی جیسے پہلے بسر ہوگئی

بجلی سی کوند جائے نہ کیوں شیخ وشاب میں
جب دل ربا بنے کوئی عہدِ شباب میں

جو کچھ ہے بس انہیں بتِ عریاں بدن میں ہے
باقی رہی نہ اب کوئی مستی شراب میں

پنکی کہاں تھی اور کہاں تک پہنچ گئی
زینب اسیرِ خانہ بنی ہے حجاب میں

عریانیت کی ایک کرامت یہ دیکھئے
ہر برہنہ شمار ہے عزت مآب میں

آنکھیں زنا سے بس انہی اوقات پاک ہیں
جب تک ہے نوعِ حضرتِ انسان خواب میں

بے پردہ جو ہیں ان کی کہانی ہی چھوڑیئے
وہ بھی ہیں بے نقاب کہ جو ہیں نقاب میں

حیوانیت ہے تاجِ امیری سے سرفراز
انسانیت یہاں ہے مسلسل عذاب میں

مسلم بھی یاں گناہ میں اوروں سے کم کہاں؟
پایا نہ میں نے فاصلہ آب و سراب میں

ہے دستِ زن میں باگ سیاہ و سفید کی
ہے مرد خود بخود ہی یہاں رعب و داب میں

مذہب کی بات سے نہیں مانوس آج زن
رہتا ہے دل پھنسا ہوا چنگ و رباب میں

عصمت لٹا کے کرتی ہے اپنا وہ قد بلند
یا رب یہ کیسا روگ ہے شاخِ گلاب میں

عریانیت کا بھاؤ ہے اتنا بڑھا ہوا
کپڑے کی کمپنی ہے سدا پیچ و تاب میں

عنبر لباس سے ہے تنفر کا دور یوں
لگتا ہے یوں ہی جائیں گی رب کی جناب میں

قطعہ

اگر ہو سچی محبت تو ہم نے دیکھا ہے
کہ ایک شخص نے دو دشمنوں کو جوڑ دیا

یہ عشقِ بد کی کرامت نہیں تو پھر کیا ہے
نئے ملے تو پرانوں کا ساتھ چھوڑ دیا

چھوڑ آیا جب کہ میں اپنی بڑائی اک طرف
ڈالتا پھر کیوں نہیں تو بے وفائی اک طرف
دیکھنا ہے فتح آخر کس کو ہوتی ہے نصیب
تیری شاہی اک طرف میری گدائی اک طرف
کم سخن، لیلائے منزل عافیت سے پا گئے
رہ گئی رکھی مری آتش نوائی اک طرف
جب کوئی آئینہ سیما بالمقابل آ گیا
ڈال دی حضرت نے اپنی پارسائی اک طرف
وقت کی آنکھوں نے یہ منظر بھی دیکھا بار بار
اک طرف یوسفؑ تھے اور یوسفؑ کے بھائی اک طرف
مجھ کو دریا نے جو دیکھا راستہ خود دے دیا
رہ گئی ہر ناخدا کی نا خدائی اک طرف
تنگ کیوں کر قوم مسلم پر نہ ہووے خاکِ ہند
اک طرف ہیں کانگریسی، بھاجپائی اک طرف
بن گئی ہے وعظ گوئی ہر کسی کا مشغلہ
سب نے رکھ دی طاق میں دل کی صفائی اک طرف
کیا یہی ہے امتِ دعوت کا اندازِ حیات
مردِ مسلم اک طرف ہے مصطفائی اک طرف
گرچہ اک عرصہ ہوا عنبر اسے بچھڑے ہوئے
سارے غم ہیں اک طرف، دردِ جدائی اک طرف

مرے کرم نواز مجھ پہ اب نہ اور وار کر
کہ تھک کے چور چور ہوں شبِ الم گزار کر

تجھے بھی میری دردناکیوں کا علم ہو سکے
ادھر کو آ مرے جگر کے زخم کو شمار کر

ترا جمالِ دل رُبا نہیں ہے غیر کے لئے
نہ جا ادھر اُدھر کو اپنی رونقیں سنوار کر

غریب و نامراد کو تو مسکراہٹیں دلا
خزاں رسیدہ گلستاں کو مخزنِ بہار کر

ہنسوں تو ان کو بے پنہ گراں لگے مری ہنسی
بہاؤں اشک تو کہیں یہ بند آبشار کر

ستارہ حسن کا، مرے عدو کے ہاتھ لگ گیا
جسے کہ آہ لایا تھا فلک سے میں اتار کر

انہوں نے اب ہمیں گدائے بے نوا بنا دیا
جنہیں دیا تھا ہم نے یہ وطن بنا سنوار کر

کبھی نوازشیں تری، کبھی ستم کی بارشیں
جو تیرے دل میں ہے چھپا اُسے تو آشکار کر

خلوص اور وفا کی اب تلاش ہی فضول ہے
ملے کوئی تو تیزیٔ دماغ اختیار کر

حدوں کو پار کر گیا ترا کمالِ بے حسی
جمود توڑ، دور اپنی آنکھ سے خمار کر

ہے عبث مرے ہمدم تیرا مجھ کو سمجھانا
تو نے زخم ہی دیکھا اور نہ درد ہی جانا

شمع بن کے دیکھوں گا سوچتا ہوں روزانہ
ہاتھ کچھ نہیں آیا مجھ کو بن کے پروانہ

جس کو میں سمجھتا تھا اک حقیقتِ عریاں
ایک دن وہی نکلا حرف حرف افسانہ

عصرِ نو کی بیماری دور ہو تو کیسے ہو
ہر حکیم خوابیدہ، بند ہر شفا خانہ

غیر نے نہ کچھ میری قدر کی تو کیا غم ہے
آہ میری ہستی کو تو نے ہی نہ پہچانا

تھا شباب تو آنکھیں ہر طرف بھٹکتی تھیں
پڑ رہا ہے اب مجھ کو ہر مقام پچھتانا

دل لگی نہ تم کرنا مہ رخوں سے اے عنبر
ورنہ لٹ ہی جائے گا یہ بھی تیرا کاشانہ

سرخوشی کا ہر جانب عام تذکرہ ہوتا
تم جو گھر مرے آتے گھر ہرا بھرا ہوتا

دل کے آبگینے میں شخصیت تری ہوتی
ہر نفس طبیعت پر تازہ اک نشہ ہوتا

کاش میری راہوں کا تو جو ہم سفر ہوتا
زندگی کا ہر اک پل آج سے جدا ہوتا

تیرا ساتھ کیا چھوٹا گمرہی چلی آئی
ورنہ ہر قدم میرا منزل آشنا ہوتا

تیری بے رخی تھی یا آرزو کی میت تھی
ورنہ دردِ بے پایاں یوں نہ لادوا ہوتا

چلیے مانتا ہوں میں دَور لد گیا لیکن
خط نہیں تو کم از کم فون ہی کیا ہوتا

قربتیں ہی فرقت کا ہیں سبب میاں عنبر
یوں نہ قربتیں ہوتیں، یوں نہ دل دُکھا ہوتا

خدا نے جس کو بھی ارمانِ ''دار'' بخشا ہے
اُسی کے دل کو سکون و قرار بخشا ہے

ہمارے نام سے گل چیں کو چڑ ہے کیا کہیئے
ہمیں نے جب کہ چمن کو وقار بخشا ہے

تمہارے حسن کا اپنا کمال کوئی نہیں
ہمارے عشق نے اس کو نکھار بخشا ہے

اُسی کو شام و سحر ہم دعائیں دیتے ہیں
وہ جس نے ہم کو دلِ اشک بار بخشا ہے

وہی ہے اپنے نصیبہ سے رہنمائے وطن
ہماری آنکھوں کو جس نے خمار بخشا ہے

ہمیں کو لوگ فراموش کر گئے صد حیف
ہمیں نے جب کہ اسے اعتبار بخشا ہے

وہ شاندار قلعہ آج بھی سلامت ہے
جسے کہ ہم نے کبھی بھی سہار بخشا ہے

وہی ہے آج مسیحائے قوم اے عنبر
وہ جس نے درد ہمیں بار بار بخشا ہے

نہ کیجئے ہوش میں آنے کی باتیں
کہ یہ ہیں صرف فرزانے کی باتیں

نہیں زیبا کسی اہلِ جنوں سے
سمجھنے اور سمجھانے کی باتیں

نہ کرنا اس صدی میں مجھ سے اے دوست
چراغوں اور پروانے کی باتیں

جسے تقدیر دکھیارا بنادے
کرے کیوں کر نہ رُلوانے کی باتیں

وفا خوابِ پریشاں بن گئی ہے
حیا ہے صرف دیوانے کی باتیں

نہ پوچھیں مجھ سے کچھ دنیا کے حالات
کریں بس میرے ویرانے کی باتیں

قیامت ہیں قیامت ہیں قیامت
کسی کو راہ دکھلانے کی باتیں

نہیں ہمدردیوں کا دور عنبر
نہ کیجیے دل کے بہلانے کی باتیں

وہ جن کو تم نے کہا ''تیری انجمنِ کے نہیں''
وہ میرے گھر کے ہی اک فرد تھے دَکن کے نہیں

یہ اور بات کنایہ مزاج ہے ورنہ
شکار ہم ہیں تمہارے کسی ہرن کے نہیں

خدا جنہیں بھی پری پیکری کرے ہے عطا
یہ عام روگ ہے اچھی روش چلن کے نہیں

پہاڑ ہم سے بھی ہر وقت تھرتھراتا ہے
اگرچہ ہم کوئی فرزند کوہ کن کے نہیں

نہیں جواز ہمیں وندے ماترم کا کوئی
کہ ہم خدا کے پرستار ہیں وطن کے نہیں

ہمیں کے خونِ جگر سے اسے حیات ملی
ہمیں سے لوگ کہے ہیں کہ اس چمن کے نہیں

غرور ہے تمہیں طاقت پہ گر تو آجاؤ
رہے ہیں ہم بھی کبھی چوڑیاں پہن کے نہیں

ہماری بزم ادب میں شریک ہیں جتنے
وہ شاعرات کے شیدا ہیں فکر وفن کے نہیں

نہیں جمال تو اے دوست کوئی غم مت کر
کہ ہم اداؤں کے عاشق ہیں تن بدن کے نہیں

مرا عقیدۂ دینی سدا سلامت ہے
بہار کا تو ہوں لیکن نتیش بن کے نہیں

عجب ہی ڈھنگ کے عنبر ہیں آج کے مجنوں
یہ اپنی عقل کے دشمن ہیں پیرہن کے نہیں

قلب روشن کو وا کرے کوئی
نقشِ حرفِ وفا کرے کوئی

جب ہو یہ ''حالِ مہ رخاں'' تو دل
کیوں کسی پر فدا کرے کوئی

میں ''قفس ہائے عشقِ خوباں'' میں
پھنس گیا ہوں رِہا کرے کوئی

مدتوں سے پڑا ہوں بستر پر
مر رہا ہوں دوا کرے کوئی

سوچتا ''بے خودی'' میں ہوں کیا کیا
''بابِ ادراک'' وا کرے کوئی

ہے کوئی جو ''مثالِ ضربِ کلیم''
اک نیا راستہ کرے کوئی

کیا ملا ''قیسِ دشت پیما'' کو
کیوں کسی در پھرا کرے کوئی

میں تو دنیا سے ہو گیا رخصت
اب کسے دل ربا کرے کوئی

''تربتِ عنبرِ حزیں'' کے لئے
روشنی کی دعا کرے کوئی

وہ ستمگر دیکھ کر مجھ کو جو یوں شرمائے ہے
کوئی اجڑے یا نہ اجڑے دل تو اجڑا جائے ہے

حسن کے پیکر سے کیوں نالاں نہ ہو یہ کائنات
اس کے فتنوں سے زمانے بھر کا جی گھبرائے ہے

جس کی آمد کو نہ کیوں کر مانئے ''آشوبِ دہر''
اس کی ''قامت'' جب بھی آئے ہے ''قیامت'' آئے ہے

یوں ہی چلتا جائے ہے دنیا کا اب تک کاروبار
اک حسیں دنیا سے جائے ہے تو دیگر آئے ہے

''آتشِ نمرود'' سے بچنا تو آساں ہے مگر
''آتشِ رخسار'' سے کب دل کو روکا جائے ہے

کس میں ہمت ہے کہ ''مقتولِ محبت'' کو پڑھائے
اس کو گردانے ہے دشمن جو اسے سمجھائے ہے

اک ''زلیخا'' سے ہوئے ''یوسف'' پریشاں اس قدر
ہم بچیں کیسے؟ زلیخا ہر قدم ٹکرائے ہے

پاس ہم غربت کے ماروں کے ''بجز ایماں'' ہے کیا
اب یہ حربے روز تو کس واسطے اپنائے ہے؟

جز ''غمِ دو جہاں'' نصیب کہاں؟
دوستی اب کسی سے خاک کروں؟

میں عدم تک گیا کوئی نہ ملا
جس کی خاطر میں جیب چاک کروں

ہیں سبھی بے وفا زمانے میں
کس لئے خود کو میں ہلاک کروں؟

''سینۂ دہر'' سے گئی لیلا
کس بیاباں کا ''ذکرِ پاک'' کروں

جل گیا آہِ آتشیں سے جگر
کیوں میں کہنے میں کوئی باک کروں؟

شک کرے ہے وہ میری حرکت پر
''خیر مقدم'' جو پرتپاک کروں

اے خضر! کچھ بتا کہ میں کیسے
''عہدِ آئندہ'' تابناک کروں

کوئی قاصد تلاش کر عنبر
نالۂ غم خدا کو ڈاک کروں

رقیبوں کے یہاں جب بھی ترا فرمان جاتا ہے
مرے برباد سینے سے؛ دلِ ویران جاتا ہے

مرے ہمدم قدم اپنا عبث مجھ سے چراتے ہو
مرا ''دیدۂ ہشیار'' تو پہچان جاتا ہے

جسے پوچھا نہ تم نے وہ کہاں جینے کے اب قابل
کسی دم دیکھنا؛ پل بھر کا وہ مہمان جاتا ہے

مرا غم بھی ہے گویا آپ کے حسنِ نمایاں سا
چھپاتا جاؤں ہوں لیکن زمانہ جان جاتا ہے

بتاؤں کیا تری فرقت مجھے کتنا ستاتی ہے
کسی مجذوب سے جیسے مہِ رمضان جاتا ہے

مرے دشمن طوافِ کوئے جاناں آفریں تجھ کو
مرا تو سوچ کر ہی ہاتھ سے ایمان جاتا ہے

اسے حلوا کھلا کے تو بھی عنبر دام میں لے آ
سنا ہے ایک چائے میں ہی سب کی مان جاتا ہے

اب کیا ملے گا لالہ وگل کو پکار کے
خاموش بیٹھ جا؛ کہ گئے دن بہار کے

پھر دیکھتا ہوں؛ برہمی باقی ہے جوں کی توں
آئے تھے ہم تو ''کاکلِ گیتی'' سنوار کے

کچھ بھی ہوا مقابلہ تجھ سے تو ہو گیا
میدان ہم نے جیت لیا ہار ہار کے

گر تم سے ہو سکے تو وفا ہی نبھائے جاؤ
قائل نہیں ہیں ہم کسی بوس وکنار کے

کہہ کر گئے تھے وہ کہ ابھی آ رہا ہوں میں
کب ہوں گے پورے دیکھئے دن انتظار کے

بادِ بہار پا کے نہ رہ مطمئن مدام
پوشیدہ غم کی شب بھی ہے؛ لمحوں میں پیار کے

تم تو ''شبابِ شعلہ فشاں'' میں ہو مست مست
مارے ہیں ہم غریب؛ غمِ روزگار کے

ناز وادا ہو یا تری رعنائیِ جمال
جلوے ہیں یہ تمام ہی پروردگار کے

میرے ہی آبلوں سے ہے؛ صحرا ''گلاب رو''
میرے ہی ''زخمِ پا'' سے ہیں منہ لال؛ خار کے

کہتے ہیں لوگ؛ ''وعدۂ فردا'' کا کیا شمار
ہم پھر بھی خوش ہیں کیوں کہ یہ وعدے ہیں یار کے

بکتی ہے کائنات تو حیرت کی بات کیا
بکتے ہیں اب صنم بھی ہزاروں ہزار کے

عنبر طلاق لے کے وہ آئے یہاں تو ہیں
اب کس طرف کو جائیں گے عدت گزار کے

بلا سے دم گھٹے؛ احساں تمہارا ہم نہیں لیں گے
وہ مے کش ہیں؛ ترے ہاتھوں سے ''جامِ جم'' نہیں لیں گے

تمہیں خط ہم نے لکھا ہے ''تمنا گاہِ خلوت'' میں
ہمیں خلوت ہی دو؛ ہنگامۂ عالم نہیں لیں گے

تصرف کر لو؛ چاہو جس طرح ''مالِ غنیمت'' میں
یہ دیوانے ''جزائے کوششِ پیہم'' نہیں لیں گے

''گدائے کوئے یاراں'' اک نرالی شان رکھتے ہیں
فقط لیں گے ''نگاہِ ناز'' وہ درہم نہیں لیں گے

وہ شانہ ہیں کہ ہر پر پیچ کو بے پیچ کر دیں گے
کہا کس نے؛ ترا ہم گیسوئے برہم نہیں لیں گے

لہو دے دیں گے، لیکن ہم ہیں وہ خود دار دیوانے
ترے دربار سے اک چیز بھی ہمدم نہیں لیں گے

جلاتی جائے بجلی ہم نہ چھوڑیں گے مشن اپنا
نشیمن جب تلک قائم نہ ہوگا؛ دم نہیں لیں گے

نہ رکھ امید عنبر اہل دنیا سے مروت کی
مسرت دو تو لے لیں گے، دلِ پر غم نہیں لیں گے

روز وشب عنبر بتا؛ کیا سوچتا رہتا ہے تو
''صورتِ مجنوں'' بیاباں میں پڑا رہتا ہے تو

اے کلیمِ طور! تو ''زحمت کشِ اَرِنی'' نہ ہو
دیکھتا ہوں تجھ کو؛ ''مجبورِ نوا'' رہتا ہے تو

تیری فطرت میں ''شرر افشانیاں'' پیدا نہیں
ہر گھڑی آوارہ؛ ''مانندِ صبا'' رہتا ہے تو

تجھ سے نالاں ہیں ''کلیسا وَ حرم'' کے پاسباں
مضطرب کیوں ''صورتِ قبلہ نما'' رہتا ہے تو

گیسوئے امروز وفردا سے نکل! ''مثلِ عقاب''
کیوں ''مثالِ شمع''؛ محفل میں پھنسا رہتا ہے تو

''بادۂ تہذیبِ حاضر'' مست رکھتا ہے تجھے
گرچہ رہرو کے لئے؛ ''بانگِ درا'' رہتا ہے تو

اٹھ! کہ ''چشمِ دہر'' کو ہے؛ صرف تیرا انتظار
برق کر خود کو؛ کہ ''پابندِ حنا'' رہتا ہے تو

اپنی فطرت کو ''فسونِ مہر'' سے بے گانہ رکھ
کارواں کی گرد کی صورت؛ فنا رہتا ہے تو

روز نیا تم ایک تماشا دنیا کو دکھلائے جاؤ
زلفوں سے بھی بڑھ کر پیارے ہر لمحہ بل کھائے جاؤ

میرے ستمگر میرے مقدر! جتنا ہو تڑپائے جاؤ
اپنے کرم کی، اپنی وفا کی؛ دادیں بھی تم پائے جاؤ

نالۂ بلبل سن سن کر تم اس کو اور رلائے جاؤ
چشم ولب ورخسار سنوارے، مسکائے؛ بل کھائے جاؤ

دنیا کے گوشے گوشے میں؛ جادو تمہارا بولے ہے
ساری دنیا تو ہے تمہاری جو چاہو منوائے جاؤ

کیا ہے محبت کیا ہے عداوت؟ ہم ناداں کیا جانیں ہیں
اے لفظ وتشریح کے مالک! ہم کو بھی سمجھائے جاؤ

آپ کے ''رعبِ حسن'' کے آگے؛ چاروں خانے چت ہوں میں
دنیا چھوڑی، دامن پھاڑا، اب کیا ہے فرمائے جاؤ

روتے روتے دھنس گئیں آنکھیں، خونِ جگر بھی سوکھ گیا
او ہمدم، او ''فاتحِ عالم''! فتح کا نغمہ گائے جاؤ

دیرِ جہاں کا ہر ''بتِ پُر فن'' لے ڈوبا تجھ کو عنبر
چھوڑو یہ بے کار بکھیڑے، ایسی آگ بجھائے جاؤ

ظالم، سیاہ کار، حریفِ شباب! اٹھ
محفل سے میری او مرے خانہ خراب اٹھ

ظاہر پرست جان کے؛ اے جاں نہ دے فریب
بزمِ جنوں سے اے ''رخِ صدہا نقاب''! اٹھ

آئینہ لے اسی سے جواب وسوال کر
پائے گا تو یہاں نہ سوال وجواب اٹھ

ہر فرد اپنے آپ میں ''میخانہ دار'' ہے
مت دے مجھے! صراحی وساغر شراب؛ اٹھ

روشن ہے داغِ دل سے؛ مرا ''عالم حیات''
میرے جہاں سے ''زہرفشاں آفتاب''! اٹھ

اے جذبِ دل! نکال دے ''رنگیں خیالیاں''
کب تک کرے گا دل کو جلا کر کباب اٹھ

فطرت دکھا رہی ہے تجھے ''جلوۂ بہشت''
عنبر! مرے حبیب! مرے مستِ خواب! اٹھ

نیزہ بازی، جاں کشی، دورِ ستم گر کب تلک
دیکھنا ہے مجھ پہ اب گرتے ہیں پتھر کب تلک
زندگی کی صبح آخر شام ہونے ہی کو ہے
یہ حسیں، پر شوخ، دیدہ زیب منظر کب تلک
اپنی ''پروازِ جہاں پیما'' پہ؛ مت اترا ذرا
اے ہما! تیرا یہ دم، تیرا یہ شہ پر کب تلک
میں نے بس اس واسطے صحرا نشینی کی پسند
جانتا ہوں میں؛ کہ یہ چمکا ہوا گھر کب تلک
اٹھ کہ اب ہنگامۂ محشر بپا ہونے کو ہے
تیرا یہ آرام دہ، یہ نرم بستر کب تلک
آج خود جاتا ہوں میں قصہ چکانے کے لئے
قاصدی کے واسطے ظالم کبوتر کب تلک
ہر طرف اے دوست بس اندھیر ہی اندھیر ہے
آنکل! یہ جلوہ تیرا ''زیرِ چادر'' کب تلک
صبح تک کی ہیں فقط یہ شوخیاں، رعنائیاں
اے فلک! یہ ''بزمِ مہر وماہ واختر'' کب تلک
''کاروبارِ عشق'' سے دامن چھڑایا چاہئے
حسن کو سمجھا کرو گے سب سے بہتر کب تلک
ڈوبتا انسان لمحے بھر کو ابھرا بھی تو کیا
یہ جہانِ نور، یہ ''خورشیدِ خاور'' کب تلک
گیسوؤ رخسار ولب، بے روح وجاں ہوجائیں گے
یہ جوانی، یہ ادا، یہ مشکِ عنبر کب تلک

پھولوں سے پیار کر، نہ بہاروں سے پیار کر
بزمِ جہاں میں دشت سے، خاروں سے پیار کر

جس میں ذرا بھی بوئے وفا کا اثر نہ ہو
مت ایسے دلفریب نظاروں سے پیار کر

دن ہو تو آہ و نالۂ بلبل کو کر رفیق
شب ہو تو سوگوار ستاروں سے پیار کر

گر تجھ میں ہو نہ موج سے لڑنے کا حوصلہ
اے بےضمیر جا کے کناروں سے پیار کر

لعنت، شبِ فراق، تمنا، یہ حادثے
وابستگی ہے اس سے تو چاروں سے پیار کر

گلشن میں کیا رکھا ہے بجز رنگِ بے ثبات
عاقل ہے تو؛ تو غم کے شراروں سے پیار کر

میرا جگر نہیں کہ جھکا دوں جبیں تمام
محبوب ایک اور ہزاروں سے پیار کر؟

تیرا وجود میرے کسی کام کا نہیں
جا! مے کدہ کے بادہ گساروں سے پیار کر

عنبرؔ ''بتانِ دیرِ فنا'' سے کر انحراف
حکمت نہیں کہ لالہ عِذاروں سے پیار کر

کوئی آشفتہ دل دے ہے، کوئی بدلے میں غم دے ہے
کوئی ظالم نہ دے پائے گا یارب؛ جو صنم دے ہے

محبت یوں تو پہلے سے ہے خاک وخوں میں غلطیدہ
پھر اس کو زہرِ قاتل کس لئے؛ اے محترم دے ہے

یقیں جس کو ہو؛ تیرا وعدہ محکم ہو نہیں سکتا
اسے پھر کس لئے اس ناز سے قول وقسم دے ہے

نہ کیوں سمجھوں کہ اب فوراً ہی سر میرا قلم ہوگا
کہ وہ نا مہرباں غصے میں قرطاس وقلم دے ہے

کوئی سائل نہیں؛ میں تیرا دیوانہ ہوں دیوانہ
مری آواز پر پردے سے کیوں نان ودِرم دے ہے

یہ سچ ہے؛ تیرے حق میں بد دعا میں کر نہیں سکتا
بتا تو ہی کہ اتنا بھی کہیں کوئی الم دے ہے

میں سلجھوں ہوں تو کافر اور بھی الجھائے جائے ہے
مرے پائے جگر کو روز زلفِ خم بہ خم دے ہے

ہم اس کے ترجماں کی اس طرح تعظیم کرتے ہیں
کہ جیسے کوئی مجرم جج کو رشوت میں رقم دے ہے

''فقیہِ عشق'' ہیں ہر گُر سے واقف ہیں میاں عنبرؔ
تو اپنی راہ لے! کس واسطے تو ان کو دم دے ہے

ظالم کو ضد ہے آکے مجھی پر جفا کریں
بدنام ہے قضا کہ نہ لکھا وفا کریں

ہے ہر طرف سے موجۂ سیلابِ بے دلی
کشتی کہاں نصیب؛ کہ طے راستہ کریں

آتے ہیں لے کے ''دشنۂ مژگانِ جاں گداز''
ہر چند ''بطن ہائے شجر'' میں چھپا کریں

''پیرِ فلک'' بھی ان کا ہے ہم دوش وہم خروش
پھر کیسے اپنے نالۂ دل کو ''رسا'' کریں

ہیں ''پیرِ صور'' وقتِ معین کے منتظر
ان کا ہے کام روز ہی محشر بپا کریں

مجنوں کے سر پہ میں نے جو کیں سنگباریاں
کہنے لگا مآل بھی اپنا پڑھا کریں

اک قطرۂ شراب جو مانگا؛ جھڑک دیا
لیکن مرے رقیب مسلسل پیا کریں

دل ہی تو ہے وہ گل سے نہ کھا جائے کیوں فریب
ہر چند ''رہنِ شیوۂ توبہ'' رہا کریں؟

بے خود بنا دیا ہے ستم ہائے ناز نے
مقدور ہو تو درد کی ہم بھی دوا کریں

یہ کیا بلا ہے ''خواہشِ یک لفظ'' رہ گئی
''دفترِ مثال'' میرے عدو کو لکھا کریں

کھڑکائے ہے جو در کوئی سمجھوں ہوں ''یار ہے''
کیا خوب؟ ناروا کو بھلا کب روا کریں

کہہ دے کوئی بتوں سے نہ اب آئیں یاں کبھی
جائیں درِ رقیب پہ ناز وادا کریں

عنبر ہمیں بھی ''دولتِ ایمان'' ہے عزیز
کیوں ''آستانِ غیر'' پہ اس کو فنا کریں؟

قطعہ

دن بھی اپنا ہے رات اپنی ہے
یعنی کل کائنات اپنی ہے

کہتے ہیں یہ مجاہدین کرام
موت اپنی، حیات اپنی ہے

عشق کے بیماروں پر جب بھی ''جوشِ جوانی'' آئے ہے
دنیا کی آنکھوں میں پھر، دیوانہ کہلائے ہے

لمحہ لمحہ کیا گزرے ہے وہ تو دل ہی جانے ہے
کیسی کیسی چوٹ لگے ہے، کتنا پتھر کھائے ہے

یوں تو نیند ہی کب آئے ہے؛ شب بھر غم کے ماروں کو
گر تھوڑی بھی آنکھ لگے ہے؛ ظالم یاد آجائے ہے

''سیرِ گلستاں'' کرنے والے؛ میرا بھی گھر آ کر دیکھ
کیوں کر مجھ سے دور رہے ہے؛ کاہے تو کترائے ہے

درد مرا وہ درد نہیں ہے جو دب جائے؛ تو مٹ جائے
جب سارا عالم سوئے ہے؛ تب یہ شور مچائے ہے

بے جانے بے مانگے تو نے؛ جب احمق دل پھینک دیا
جو بویا ہے وہ کاٹے گا اب کیوں کر پچھتائے ہے

واعظ ہے گر علم میں یکتا؛ ہم بھی تو ہیں ''شیخِ جنوں''
ہم پہلے سے سب جانیں ہیں ہم کو کیا سمجھائے ہے

چھیڑ نہ یوں اے یار تو ہم کو، ہم یوں ہی خاموش نہیں
جا شکراً تسبیح پڑھا کر! ہم سے کیا بلوائے ہے

وہ تو ہر جائی ہے عنبر! اس سے کیا ''امیدِ وفا''
خوش رنگ و پر شوخ ستم گر کب چہرہ دکھلائے ہے

ہم رہے اے دوستو! کس کام کے
ہوگئے قیدی بتوں کے دام کے

آسماں کا کس سے ہم شکوہ کریں
یار ہیں سب ایک یا دو گام کے

''اتباعِ قیسِ صحرا گرد'' میں
کھائے دھکے ''گردشِ ایام'' کے

کیا بلا ہے عشق؛ سر پھوڑے بغیر
ہم کہے جاتے ہیں ''عاشق'' نام کے

کوچۂ جاناں میں رکھتے ہی قدم
ہوگئے ممنون ہم دشنام کے

اب کہاں وہ دن تڑپتے تھے کبھی
ہو کے طالب ان کے ہر انعام کے

رنگ ساقی ہائے گریوں ہی رہا
دور پھر کیسے چلیں گے جام کے

جی میں ہے رہئے کہیں مثل خضر
چھوڑیئے پھیرے ''درِ اصنام'' کے

خانہ ویرانی تمہاری عنبرا!
تم بھی مردہ ہوگئے اوہام کے

مجھے رسوا کیا رسمِ وفا نے
لگا ہوں ہر طرف دشنام کھانے
وہی اب تک ہے شان بے نیازی
نہ کام آئے مرے حیلے، بہانے
نہ سن اے ہم نفس؛ پچھتائے گا تو
بڑے پُر درد ہیں میرے فسانے
جنوں کی تیز دستی؛ اللہ اللہ
اڑا ڈالے قبا کے؛ تانے بانے
رہیں گے اپنی راہوں پر سبک گام
مرا مسلک کوئی مانے نہ مانے
مری تسبیح کو کیا پوچھتے ہو
ازل سے نوحہ خواں ہیں دانے دانے
عجب الجھن میں رہتا ہوں گرفتار
مجھے پکڑا ہے یارب! کس بلا نے
مرا عیسیٰ یہاں کوئی نہیں ہے
کسے جائیں یہ زخمِ دل دکھانے
کبھی ملّا سے رہتا ہوں پریشاں
کبھی آتا ہے وہ ظالم ستانے
محبت ہی نے کر ڈالے ہیں ارزاں
''بتانِ بے اماں'' کے تازیانے
نہ ہو صحرا تو پھر عنبر کہاں جائیں
رہے باقی نہ در، نے آشیانے

غازی کو ''عزم وہمتِ مردانہ'' چاہیے
عاشق کو ''راہ کوچۂ جانانہ'' چاہیے

اس آب وگل میں کام ہیں سب کے بٹے ہوئے
زاہد کو کعبہ، کفر کو بت خانہ چاہیے

یہ سوچ کر ہوئے ہیں تری جان پر فدا
آخر تو شمع کو کوئی پروانہ چاہیے

ایسے نہ ٹل سکیں گی ابد تک تباہیاں
ہاتھوں میں کوئی عدل کا پیمانہ چاہیے

ہرگز سکوت سارے مرض کی دوا نہیں
کچھ کے لئے تو جرأتِ رندانہ چاہیے

مستقیٔ زمانہ ہوں ساقی! ذرا کرم
پیمانہ ہی نہیں مجھے مے خانہ چاہیے

لیلا سے رسم وراہ کوئی سہل تو نہیں
ہاں چاہیے تو قیس سا دیوانہ چاہیے

نہ وہ دنیا نہ دنیا کی جوانی
گیا ''سوزِ حدیثِ لن ترانی''
کوئی تحفہ مجھے دے کر گیا ہے
فغان و اضطرابِ جاودانی
مری خاموشیاں بھی پڑھ لے؛ اے دوست
نہیں مہمل ہماری بے زبانی
زمانے کا نہ کیوں شکوہ کروں میں
تمہارا کر گیا ہے خون؛ پانی
مرے سینے میں جب تک تو رہے گا
نہ جائے گی یہ اشکوں کی روانی
کہاں پوچھے کسی بے خانماں کو
جسے ہاتھ آ گئی ''صاحب قرانی''
رہی باقی نہ وہ تسخیر وتاثیر
ابھی بھی گرچہ ہے ''آتش بیانی''
نہ ہو کیوں کر جہاں پیما، ''فلک گرد''
کیا حق نے جسے حوروں کی رانی
خطاؤں پر خطائیں ہو رہی ہیں
نہیں معلوم کیا؟ دنیا ہے فانی
اگرچہ ''کلمہ خواں مومن'' ہے عنبرؔ
وہی ہے لات وعزیٰ کی کہانی

دشمن تھا؛ کیسے چوکتا چرچا کیے بغیر
چھوڑا نہ عشق نے مجھے رسوا کئے بغیر

خوشیوں کو لاکھ ڈھونڈیئے؛ ملتا نہیں نشاں
اک غم ہے؛ آئے ہے جو تمنا کئے بغیر

دے کر ''غمِ فراق'' کدھر تو چلا گیا
لگتا ہے تو نہ چھوڑے گا اندھا کئے بغیر

سائل ہوں مغفرت کا، دعا کیوں نہ چاہئے
چلتا نہیں ہے مدرسہ چندہ کئے بغیر

''شیخِ حرم'' کو ''کعبۂ دیں'' سے نکال دو
چھوڑے گا وہ نہ اس کو کلیسا کئے بغیر

تم ''سوزِ محبت'' کا دبستان نہ لوٹو
خوابوں سے سجا پیار کا ارمان نہ لوٹو

''لمحاتِ سکوں'' دن کے کٹے سنگ گراں سے
اے جان ! مری شب، یہ شبستان نہ لوٹو

پھولوں کا جہاں چھین لیا تم نے بلا سے
اب چھوڑ دو خاروں کا گلستان نہ لوٹو

ایماں کے سوا کچھ بھی مرے پاس نہیں ہے
یہ آخری دولت ہے مری جان نہ لوٹو

جسے سن رکھا تھا شیوخ سے، جسے پڑھ رکھا تھا کتاب میں
وہ نظر کے سامنے آ گیا؛ مرے ''قلبِ خانہ خراب'' میں
نہ میں رند تھا، نہ حریص مے، نہ مزاج میں یہ فتور تھا
یہ'' نگاہِ پیرِ مغاں'' تھی کیا کہ ڈبو گئی وہ شراب میں
مرا دل ہے یا کوئی طور ہے، یہ جنوں ہے یا کہ شعور ہے
یہ پتا نہیں کہ وہ شے ہے کیا؛ جو ہے میری چشمِ پرآب میں
مجھے زخم کوئی لگائے، کیوں، مرا درد کوئی بڑھائے کیوں
کوئی چھیڑ چھاڑ فضول ہے مری زندگی ہے عذاب میں
جو بھلائی مجھ سے ہوئی سدا؛ مجھے الٹا اس کا صلہ ملا
جو ملا سو غم کا جہاں ملا؛ مری الفتوں کے جواب میں
میں ''فریب خوردہٗ حسن'' ہوں؛ مجھے اپنی کوئی خبر نہیں
یہ وہ طرفہ کھیل ہے اومیاں! جو ہوئے ہے''عہدِ شباب''میں
میں ترا شہید قدیم ہوں؛ وہ تیرا فدائے جدید ہے
یہ مگر سمجھ میں نہ آسکا؛ کہ ہے کیا تمہارے نصاب میں
تو نہ جا نگاہ چرا چرا، تو ادھر بھی دیکھ ذرا ذرا
ترا ظلم حد سے گزر گیا؛ کبھی آتو ''کارِ ثواب'' میں
میں وہ مبتلائے حبیب ہوں کہ ہوں لفظ'' آؤ'' کا منتظر
مرے کان بھی ہیں کھڑے ہوئے، مرے پاؤں بھی ہیں رکاب میں
وہ نفاستیں ہیں سجی ہوئیں، وہ نزاکتیں ہیں بسی ہوئیں
جو نہ گل میں جلوہ پذیر ہیں، جو نہیں ہے شاخ گلاب میں
مجھے پند ووعظ نہ کیجئے، مجھے حشر سے نہ ڈرائیے
ہوئے کتنے سال ''جنابِ من''! کہ کھڑا ہوں روزِ حساب میں

گلشن گلشن آگ کا منظر
دریا دریا خوں کا سمندر
قریہ قریہ بم کے دھماکے
کوچہ کوچہ برسے پتھر
طوفاں طوفاں ''موجِ ہلا ہل''
بادل بادل غم کا پیمبر
بارِ گراں ہے ''نازشِ دوراں''
اور ہمیں اک حرف مکرر
شیطانوں کو چھوٹ ملی ہے
مردِ مسلماں جیل کے اندر
امن وسکوں کی تاراجی ہے
ہائے رے پستی، ہائے مقدر
آج کا انساں، آج کا حیواں
گاجر، مولی اور چقندر
فرعونی دربار سجا ہے
پھیلے ہیں ہر سمت ستمگر
نت نئے قانوں نت نئے طوفاں
مشکل ہے جینا بھی پل بھر
قزاقوں کا پالنے والا
خود کو بتائے ''قسمتِ احمر''
کشتیِ ملت ڈوب رہی ہے
اونگھ رہا ہے مردِ قلندر
کوئی نہیں مفلس کا یہاں پر
بیٹھ کے ہلکے، روئے عنبر

آپ کی ذات ستم گر کے سوا کچھ بھی نہیں
آپ پتھر ہیں تو میں سر کے سوا کچھ بھی نہیں

جو پھنسا آپ کی الفت میں کبھی چھوٹ نہ سکا
عشق اک موت کے خنجر کے سوا کچھ بھی نہیں

لعل ولب ناز وادا آپ کے؛ بالائے شعور
قد ترا، سرو، صنوبر کے سوا کچھ بھی نہیں

آپ آتے ہیں تو آتی ہے گلستاں میں بہار
اور گفتار؛ گلِ تر کے سوا کچھ بھی نہیں

آپ خوش ہیں تو مرے سامنے فردوس بھی ہیچ
ورنہ پھر غم کے سمندر کے سوا کچھ بھی نہیں

تیری صورت؛ مری خوشیوں کا جہاں لوٹ گئی
اب مرے ہاں دل مضطر کے سوا کچھ بھی نہیں

تیرا جانا بھی قیامت کا سماں تھا اے دوست
اب جہاں عرصۂ محشر کے سوا کچھ بھی نہیں

نیند کس طرح بھلا تجھ سے بچھڑ کر آئے
ہر طرف آگ کے بستر کے سوا کچھ بھی نہیں

آج تو آپ نگاہوں سے گرا بیٹھے ہیں
کل کو کہیئے گا کہ عنبر کے سوا کچھ بھی نہیں

جویا ہوں جذبِ دل کا؛ ڈھونڈوں ہوں تیری راہیں
آنکھوں میں جوئے خوں ہے؛ لب پر ہیں سرد آہیں

آیا نہ راس مجھ کو دیوانگی کا عالم
عشرت پہ ڈالتا ہوں حسرت بھری نگاہیں

بیٹھ اپنی خلوتوں میں قسمت کو رو رہا ہوں
کہ نہ رہ سکی شریعت؛ نہ ٹھہر سکیں کلاہیں

مجھے کیا خبر کہ کیا شے ہے میاں؛ ''نشاطِ ساحل''
کہ مرے لئے تو پیدا نہ ہوئیں پناہ گاہیں

جسے ہم نے ''خوب'' پایا اسے بے وفا ہی پایا
تو دماغ کیوں کھپائیں کہ ستمگروں کو چاہیں

مرے ''کاروانِ ہستی'' کی ہے صرف ایک منزل
تری مرمریں اداؤں کی ہزار بارگاہیں

وہ دماغ ان کا عنبرؔ، یہ جنون ہے ہمارا
وہ ہمیں اچھوت سمجھیں، انہیں دل سے ہم سراہیں

قیامت بچھڑنا ترا ہوگیا
خفا مجھ سے میرا خدا ہوگیا
کہاں صور کا کوئی امکان اب
ترا روٹھنا سانحہ ہوگیا
نہ عیسیٰ نہ مہدی کی آمد ہوئی
مگر آج محشر بپا ہوگیا
نگاہیں ملک کی ہوئیں حیرتی
کہ یارب یہ اک پل میں کیا ہوگیا
نہ تھی جب ملاقات سب ٹھیک تھا
یہی رابطہ اک بلا ہوگیا
ہوئے شوق سے پہلوئے غیر میں
مرا ٹوکنا حادثہ ہوگیا
بلکنا تڑپنا غمِ ہجر میں
مرا روز کا مشغلہ ہوگیا
توجہ ہٹی جب سے مجھ سے تری
مرا زخم پھر سے ہرا ہوگیا
جو دیکھا ترا ''جلوۂ آتشیں''
جہنم کا در جیسے وا ہوگیا
کیا اور کچھ ہوگیا اور کچھ
بھلا چاہتے تھے برا ہوگیا

کوئی ''گُل رخ'' دل مرا بے طرح تڑپاتا رہا
ایک طوفاں درد کا؛ آتا رہا جاتا رہا
کوئی کیا سمجھے کہ جاری گریۂ پیہم ہے کیوں
میں ہی سمجھوں ہوں کہ ہائے مجھ سے کیا جاتا رہا
ہم ستم سہہ کر بھی اک گستاخ گردانے گئے
وہ جفا پر بھی وفا کی شان کہلاتا رہا
''موجِ دریا'' سر پٹک کر ڈھونڈتی ہی رہ گئی
''گوہرِ شعلہ بدن'' بچ بچ کے شرماتا رہا
اس کی ''چشمِ پرخزاں'' سے بھی لہو بہنے لگے
میرے رونے پر جو ناصح مجھ کو سمجھاتا رہا
اب تلک ''طفلانِ بے پروا'' سے مجھ کو تھا حذر
آج بیٹھا دل ربا کی گالیاں کھاتا رہا
اس سے کیا آنکھیں لڑیں؛ دنیا سے آنکھیں موندلیں
ہائے کیا کھوتا رہا اور ہائے کیا پاتا رہا
جس کے در پر مدتوں گھستا رہا اپنی جبیں
وہ ''جفا پیشہ'' مجھے دنیا سے پٹواتا رہا
گلستاں کا منتظم ''آتش نوائی'' سے مری
آپ بھی بھنتا رہا، گلشن بھی جلواتا رہا
''عنبرِ شوریدہ سر''! یہ زندگی ہے یا کہ موت
پھول کھلنے بھی نہ پایا تھا کہ مرجھاتا رہا

خانۂ دل مرا اک وقت سے آباد نہیں
ہو بھی آباد تو کیا فائدہ؛ دل شاد نہیں

میری ہستی سے تجھے اتنی عداوت کیوں ہے
مردِ مسلم ہوں؛ کوئی ''بندۂ الحاد'' نہیں

سب کو تسلیم کوئی آپ سا پیدا نہ ہوا
یہ فقط آپ کے مجنون کا ارشاد نہیں

چشم وابرو لب ودندان وتبسم کیا ہیں؟
پھر بھی تم جھوٹ اگلتے ہو کہ صیاد نہیں

مری وحشت مجھے اب دشت میں لے آئی ہے
ہے یہ حالت کہ کئی سال سے گھر یاد نہیں

ہر قدم پر ہیں قفس؛ سوچ کے چلئے عنبر
بمبئی شہر میں صوفی کبھی آزاد نہیں

قطعہ

حیف جل گیا یکسر؛ الفتوں کا باغ اپنا
لٹ گئیں تمنائیں؛ بجھ گیا چراغ اپنا

اب نہ ہاں کہیں گے ہم؛ دعوتِ محبت پر
ہائے کھو گیا اس میں؛ شوخ سا دماغ اپنا

تم کو زیبا ہے گلستاں؛ تم وہیں جایا کرو
میرے ایذا کے لئے صحرا میں مت آیا کرو

جو بھی کہنا ہو وہ کہہ دو صاف گوئی سے مجھے
''خوابِ شیریں'' مجھ کو یوں؛ مت روز دکھلایا کرو

مجھ کو دنیا سے تمہاری کوئی دل چسپی نہیں
مجھ سے مت خواہش مری دریافت فرمایا کرو

شمع کی مانند اب مجھ کو پگھلنے دو حضور
مسکرا کر بے سبب مت دل کو بہلایا کرو

جانتا ہوں میں طلسمِ دیر کی رعنائیاں
اس ٹھسک سے او میاں! مت مجھ کو پھسلایا کرو

یہ نزاکت کی روش، بانکی ادائیں، یہ جمال
یہ بلائیں اس بیاباں میں نہ تم لایا کرو

اے مرے خارو! مرے اے ''ہم نشینِ باخلوص''
خونِ فاسد میرے اعضاء سے نکلوایا کرو

ایک دردِ لادوا ہے عشق اے عنبرؔ میاں
تم ''دلِ ناداں'' کو روزانہ یہ بتلایا کرو

جس کا دل ''وقفِ نیازِ آستاں'' ہو جائے گا
بالیقیں وہ ''ہم نشینِ قدسیاں'' ہو جائے گا

جس کی ''آہِ بے کراں'' سے سینۂ گردوں ہو چاک
وہ زمانے میں ''مکینِ لامکاں'' ہو جائے گا

چاند تارے خود بخود ہو جائیں گے تیرے اسیر
جب کمندوں میں تری یہ آسماں ہو جائے گا

عشق مولیٰ کی مئے گلگوں جو لے گا صبح و شام
دیکھنا ہر لمحہ اس کا ضوفشاں ہو جائے گا

اے عنادل! کس لئے کرتے ہو تم رقص و سرود
یہ گلستاں ایک دن تنگِ خزاں ہو جائے گا

قطعہ

دشت کو ''جوشِ عقیدت'' میں چمن سمجھا کئے
اور کانٹوں کو ہمیشہ؛ گُل بدن سمجھا کئے

ہم میں اور ان میں خدایا! کس طرح ہوتا نباہ
ہم انہیں ''شیخِ حرم'' وہ برہمن سمجھا کئے

شاعری کی فریاد

عشاق کی طلب ہے کہ پردہ اٹھاؤں میں
جلوہ ہی اب کہاں ہے کہ جلوہ دکھاؤں میں

تن زخم زخم ہے مرا، رخسار داغ داغ
تو ہی بتا طبیب! تجھے کیا بتاؤں میں

احوال؛ جاں گداز ہیں، قصہ ہے دردناک
تو ہی مجھے بتا کہ تجھے کیا سناؤں میں

کج فہمیوں کے ہاتھ ہوئی ہوں شکستہ پا
پھر کیوں نہ پاؤں پھسلے، نہ کیوں لڑکھڑاؤں میں

ہر بوالہوس نے مجھ کو کھلونا بنا لیا
پتھر تو میں نہیں کہ سدا غم چھپاؤں میں

رو رو کے خستہ حال و پریشاں دماغ ہوں
کب تک ستم ظریف کے صدمے اٹھاؤں میں

لگتا ہے میرے چاہنے والے نہیں رہے
جی چاہتا ہے تیری گلی میں نہ آؤں میں

مجھ پر ستم ہے اور زمانہ خموش ہے
کیا تم یہ چاہتے ہو کہ آنسو بہاؤں میں

اقبالؔ و میر و غالبؔ و حالیؔ کا ہے نقیب
عنبرؔ کے حرف حرف پہ قربان جاؤں میں

فق ترا حسن نمایاں ہو گیا
اب مرا دل بھی بیاباں ہو گیا

اب ترا دیدار کرنے کون جائے
خال وخط گردِ پریشاں ہو گیا

اب پشیماں تم ہوئے تو کیا ہوئے
جب تمہارا رخ پشیماں ہو گیا

ہوگیا تو بھی کوئی اجڑا دیار
تیرا ''شہر ناز'' ویراں ہو گیا

اب بھی گلشن ہے مگر ہے زرد زرد
گل بھی تیرا چاک داماں ہو گیا

اب عنادل کس لئے ہوں نغمہ زن
باغِ گل؛ پتوں سے عریاں ہو گیا

ہو گئی رخصت جوانی کی بہار
یعنی اب مرنے کا ساماں ہو گیا

اے سراپا ناز تم مرجھائے کیا
عاشقوں کا کام آساں ہو گیا

''ظلمتِ شب'' رفتہ رفتہ چھا گئی
روزِ روشن بھی گریزاں ہو گیا

غم کا ''سیلِ بے اماں'' کیسے رکے
عیشِ جاں؛ جب نذرِ طوفاں ہو گیا

مٹ گیا ''جوشِ جنوں'' کا ہر نشاں
حسن جب ماضی میں پنہاں ہو گیا

چھوڑیئے عنبرؔ میاں ذکر حبیب
عشق اب ''محرومِ عنواں'' ہو گیا

دشمن کی دغا یاد، نہ ناصح کا کہا یاد
اب کچھ نہیں مجھ کو، تری یادوں کے سوا یاد

میں ''مکتبِ الفت'' کا ہوں تلمیذ جفا کش
کرتا ہوں بڑے لطف سے بس تیری ادا یاد

میں تجھ کو نہ دیکھوں تو مرا کچھ نہیں بنتا
کب مجھ سے رکھا جاتا ہے قاصد سے سنا یاد

جو کچھ کہ مرے ذہن میں تھا؛ مٹ گیا سارا
ہے مجھ کو فقط اِک تری چادر کی ہوا یاد

مدت ہوئی گزرا تھا ترے کوچۂ ودر سے
اب تک ہے مگر مجھ کو وہ ''طوفانِ بلا'' یاد

تھی میرے مقدر میں کہاں دین پرستی
تو آیا مجھے یاد کہ جب آیا خدا یاد

ظلمت سے مرا ''عہدِ گذشتہ'' جو بھرا تھا
پھر آتی نہ کیوں کر تری پر نور فضا یاد

ممکن ہے؛ دگر ''صدمۂ جاں کاہ'' بھلا دوں
آئے گی برابر یہ ''شبِ درد فزا'' یاد

اب وہ بھی بھگاتے ہیں مجھے؛ سنگ سے عنبؔر
شاید انہیں اب آئی ہے مجنوں کی غذا یاد

اب تو وہ بھی ہیں زمانے سے خفا میرے بعد
ہو گئے موت کے وہ مدح سرا میرے بعد

زندگی میں تو مری بات بھلا دیتے تھے
آیا اب یاد انہیں میرا کہا میرے بعد

مجھ کو تسلیم کہ میں لائقِ دیدار نہیں
دیکھنا ختم ہوئی ''رسمِ وفا'' میرے بعد

رکھنے جاتا ہے ''تہِ خاک'' مجھے تو لیکن
کیا کرے گی تری ''انگشتِ حنا'' میرے بعد

کشمکش سے ہے ''دلِ سوختہ'' پارے کی طرح
کس پہ پھر حشر کرے گا وہ بپا میرے بعد

بزم سے مجھ کو ستمگر نے اٹھایا لیکن
اب وہ ہر در پہ لگاتا ہے صدا میرے بعد

کس قیامت کا یہ ہنگامہ بپا ہے یارب
غم سے بے جان ہوئی آہ رسا میرے بعد

''شکوۂ گردشِ ایام'' بھلا کس سے کریں
سب ہیں وحشت میں طلب گارِ دوا میرے بعد

قدر کچھ عنبؔر بدحال کی کر لے ظالم
کس کو دکھلائے گا انداز وادا میرے بعد

غم کا سورج چڑھتا جائے، ماہِ مسرت چھپتا جائے
پیار محبت کے گلشن نے کیسے کیسے پھول کھلائے
مے خانہ تھا بند دنوں سے، بے تابی کا حال نہ پوچھ
میں نے سمجھا بارش ہوگی؛ جب اس نے آنچل لہرائے
حسن پرستی کیا ہے پیارے؛ آگ میں پاؤں دھرنا ہے
ایسے ایسے حادثے آئے سوچ کے جن کو دل گھبرائے
دنیا چاہے کچھ بھی بولے؛ مجنوں اپنی چال چلے
ہوش وخرد کا دشمن ہے وہ کون بھلا اس کو سمجھائے
مجھ کو اپنا ہوش نہیں ہے؛ بس میں اتنا جانوں ہوں
تب تب دل دھڑکے ہے میرا جب جب زلف تری بل کھائے
تم سے کیا بن پائے گا پھر اے طعنہ دینے والو!
میرے ایسا حوصلے والا بھی جب طوفاں سے ڈر جائے
تم تو سن کر ہی رو دوگے مجنوں کی خوراک ہے کیا
شب بھر خونیں اشک پیئے ہے دن آئے تو پتھر کھائے
میری صحبت وہ صحبت ہے جس سے صحرا گلشن ہو
جو خود کو بے بس پاتا ہو آ کر مجھ سے ہاتھ ملائے
دل کا روگ بلا ہے یارو! کر دے ہے جینا مشکل
پھر بھی پاگل کہتا جائے؛ جوشِ جنوں پر آنچ نہ آئے
عشق ہے پتھر، ترکِ تعلق لالۂ وگل ہے اے عنبؔر
چھوڑ کے ان نازک پھولوں کو بھاری پتھر کون اٹھائے

مرا دل بکھر گیا ہے مرے یار غم سے پھٹ کے
مجھے چین کیسے آئے ترے آستاں سے ہٹ کے
مری زندگی کی شمعیں؛ ہیں تری ضیاء سے روشن
کوئی روشنی کہاں ہے؛ تری روشنی سے کٹ کے
یہ جو میں جنوں میں مرتا ہوں وفا کے دشمنوں پر
یہ ”کرشمۂ قضا“ ہے کہ لکھا ہے سب الٹ کے
میں جہاں کے سارے صدمے بہ نشاط جھیل لوں گا
مرا غم مگر نہیں وہ کہ مقابلہ ہو ڈٹ کے
ترے بام ودر کا چھٹنا تو بلائے جان ٹھہرا
مجھے ”گردشِ زمانہ“ نے دیئے ہزار جھٹکے
مری عافیت کے دشمن! یہ ستم نہیں تو کیا ہے
کبھی شیوۂ تغافل، کبھی دیکھنا پلٹ کے
مرے دل میں رہنے والے! تجھے کس طرح بھلا دوں
یہ زباں بھی گھس گئی ہے؛ ترا نام پاک رٹ کے
تری شخصیت کے ہوتے؛ مجھے اور چاہئے کیا
مرا شوق رہ گیا ہے تری ذات میں سمٹ کے
اے ”بہارِ جاں فزا“ تو مجھے چھوڑ کر نہ جانا
ترے بعد ورنہ روئیں گے خزاں سے ہم لپٹ کے
یہی آرزو ہے اب تو ترے عنبرؔ حزیں کی
ترا آفتاب آئے؛ کبھی گھر میں ابر چھٹ کے

اہلِ دنیا کے وہ پیارے ہوگئے
ہم ''غمِ فرقت'' کے مارے ہوگئے

ہم ترے جب سے ہوئے اے جانِ جاں
گل ترے کانٹے ہمارے ہوگئے

تیری ''خاکِ رہ'' کے سب ذرے مری
آج پھر آنکھوں کے تارے ہوگئے

دیکھنا چاہا؛ نہ پر دیکھا تجھے
سر جھکا کر اک کنارے ہوگئے

عشق کے میداں کا وہ فاتح بنا
ہم دماغ ودل کے ہارے ہوگئے

میرا مرنا تھا رقیبوں کی بہار
ان کے تو وارے نیارے ہوگئے

جتنے قائم تھے وفا؛ پیمان کے
بند؛ اب سارے ادارے ہوگئے

کیوں غزل خواں ہوگئے مرغِ چمن
شاید آنکھوں سے اشارے ہوگئے

اشک جو ٹپکے وہ موتی بن گئے
آہ جو نکلی شرارے ہوگئے

ہوگئی ''تعمیرِ الفت'' منہدم
اور ہم روشن منارے ہوگئے

عنبرِ جاں باز مرنے ہی کو تھا
''داغہائے دل'' سہارے ہوگئے

دل مضطرب ہے پارۂ سیماب کی طرح
تڑپا پھروں ہوں ''ماہیِ آب'' کی طرح

روتا نہیں ہوں؛ ورنہ مرے اشک زار سے
بہہ جائے گا فلک؛ ''کفِ سیلاب'' کی طرح

اک ''ذرۂ حقیر'' مقابل مرا ہے آج
تھا بس کہ میں بھی رستم وسہراب کی طرح

یارب یہ کیا ہوا کہ گلستاں اداس ہے
ہر ''تارِ گل'' ہے ''دیدۂ بےخواب'' کی طرح

طعنے نہ دو مجھے کہ ''قتیلِ خدا'' ہوں میں
عظمت سے پر ہوں منبر ومحراب کی طرح

آخر ترا بھرم بھی کوئی دیر پا نہیں
کھل کر رہے گا ''نشۂ مے ناب'' کی طرح

عنبر تری نگاہ میں بیکار خس ہے آج
ڈھونڈے گا کل کو ''گوہرِ نایاب'' کی طرح

چلوں ہوں ''راہِ صنم'' پر غبارِ پا کے لئے
''مریضِ شوق'' ہوں مرتا ہوں میں دوا کے لئے

عجب بلا ہے یہ آوارگی نہیں جاتی
ترس رہا ہوں بہت دن سے میں صبا کے لئے

ہمارے گھر پہ بہت غم کے برق و رعد گرے
کبھی تو آپ بھی آ جایئے خدا کے لئے

ترے کرم کی پھواریں؛ مری بہارِ حیات
مرے جگر کا لہو ہے تری حنا کے لئے

یہ کیا وفا ہے کہ ہم دید سے بھی ہیں محروم
مرے عدو ہیں؛ تری شوخیٔ ادا کے لئے

ستم شعار ہی ٹھہرے؛ ترے کرم کے حلیف
جو اہل ظرف تھے ٹھہرے وہی سزا کے لئے

یہ جانتا ہوں کہ تاثیر کھو گئی عنبر
اٹھے ہیں پھر بھی مرے ہاتھ اب دعاء کے لئے

کتنے نا مہربان ہیں یہ لوگ
گویا تیغ وسنان ہیں یہ لوگ

خواہ کچھ بھی کہیں؛ اچھلتا ہوں
کیسے شیریں زبان ہیں یہ لوگ

عاشقوں کی صفت نہ کچھ پوچھو
عشق ومستی کی کان ہیں یہ لوگ

ہم ہیں آوارہ دشتِ الفت کے
اور تیر وکمان ہیں یہ لوگ

یہ جہاں ایک خول ہے گویا
اور دنیا کی جان ہیں یہ لوگ

ہم ہیں عنبر خودی سے بے گانہ
اس میں بس کامران ہیں یہ لوگ

قطعہ

ہم کو اب ان سے کوئی پیار نہیں
اب صنم پر مرا مدار نہیں

کس لئے ہم کسی پہ مر جائیں
''حسنِ فانی'' کا اعتبار نہیں

مری نگاہ میں وہ بت بجز قمر نہ لگے
بشر ہزار سہی؛ پر مجھے بشر نہ لگے

ترے وجود سے تابندگی جہان میں ہے
خدا کرے؛ ترے رخسار کو نظر نہ لگے

الٹ گیا ہے تمدن؛ نئے زمانے کا
پدر پدر نہ لگے ہے پسر پسر نہ لگے

''جہانِ عشق'' کے انداز ہی نرالے ہیں
کہ دل میں آگ لگے؛ ظاہراً خبر نہ لگے

کبھی تو پاؤں لرزتے تھے دشتِ ویراں سے
ہوا یہ حال کہ آوارگی سے ڈر نہ لگے

گیا وہ دور؛ کہ دل تھا ہمارے پہلو میں
یہ عہد ہے کہ یہاں دل کا کوئی گھر نہ لگے

تمھیں تو نیند بڑی مست مست آتی ہے
مگر یہ آنکھ ہماری؛ کسی پہر نہ لگے

سرور تھا؛ تو جہاں ساتھ ساتھ چلتا تھا
ہے درد آج تو کوئی بھی ہم سفر نہ لگے

لگا وہ زخم کہ کچھ ہوش ہی نہیں عنبرؔ
ہمارے بعد کسی کو یہ عمر بھر نہ لگے

کیسی لت پڑ گئی ہے آہ مجھے
اب تو ملتی نہیں ہے راہ مجھے

کاش امید کوئی بر آئے
ان کے در پر ملے پناہ مجھے

غم سے بھاگوں ہوں پر کہاں بھاگوں
ہر قدم پر ملے ہے ''چاہ'' مجھے

تیر جب سے جگر کے پار ہوا
خیر لگتا ہے ہر گناہ مجھے

ایک مدت سے ''جاں ستاں'' کے لئے
پڑھنی پڑتی ہے اب صلوٰہ مجھے

ہر عبادت میں ہے وہی موجود
یوں ستائے ہے گاہ گاہ مجھے

خون پی کر جواں ہوا میرا
لے کے جائے ہے قتل گاہ مجھے

میں بھی عنبرؔ تھا رشکِ حور وملک
عشق نے کر دیا تباہ مجھے

جز فغاں اک ہنر نہیں آتا
آنسوؤں میں اثر نہیں آتا

یوں وہ دنیا کا گشت کرتا ہے
مدتوں سے ادھر نہیں آتا

یہ بھی میدان تیہ ہے گویا
راس کوئی مفر نہیں آتا

ساری دنیا خفا ہوئی مجھ سے
اب کوئی نامہ بر نہیں آتا

کوئے جاناں میں مٹ گیا ایسا
معنیٔ خیر وشر نہیں آتا

یہ مری دوستی کا ہے انجام
چین اک بھی پہر نہیں آتا

رات دن میں گناہ کرتا ہوں
جز بہ ایں دردِ سر؛ نہیں آتا

ہوں کھڑا موت کے دہانے پر
جب سے وہ فتنہ گر نہیں آتا

ہو گیا ہے نحیف تر عنبرؔ
ترس تم کو مگر نہیں آتا

جو درد تم نے دیا ہے بھلا نہیں سکتے
''نشانِ زخمِ جفا'' ہم مٹا نہیں سکتے

لکھا ہے کاتبِ تقدیر نے غمِ دنیا
ہم ''آہِ گرم'' سے اس کو بنا نہیں سکتے

''نزولِ قہرِ مسلسل'' ہے یوں خدا کی قسم
ہوا یہ حال کہ لب تک ہلا نہیں سکتے

عروج پر ہے ازل سے ہی عشق کا نمرود
خلیل اب تو زمانے میں آ نہیں سکتے

تری جفا نے سکھائے ہیں وہ سبق ہم کو
کسی سے دہر میں اب دل لگا نہیں سکتے

ہزار ''فنِ مسیحائی'' آزما لیجے
مگر یہ عشق کے مردے جلا نہیں سکتے

میں ایک ''مرجعِ فارابی و ارسطوؔ'' ہوں
تم اپنی عقل کی منطق پڑھا نہیں سکتے

ہم ایسے جال میں اس بار پھنس گئے عنبرؔ
جنیدؒ و رومؒ بھی آ کر بچا نہیں سکتے

دیکھے ہے نہ وہ مجھ سے کوئی بات کرے ہے
اللہ رے کس درجہ حجابات کرے ہے

میں یاد جو آؤں ہوں تو ”لاحول“ پڑھے ہے
جاؤں ہوں تو ”پتھر“ سے مدارات کرے ہے

اس شوخ سے شرمائے ہے ”اعجازِ مسیحا“
اک بات سے خورشید کو وہ مات کرے ہے

اللہ رے ”بد خوئیِ نیرنگِ جہاں سوز“
پڑتے ہی نظر دور سے ”ہیہات“ کرے ہے

رکھے ہے قدم مجھ سے عزازیل کی صورت
اس طرح وہ ”اظہارِ کمالات“ کرے ہے

چھیڑے جو کوئی ذکر مرا بزم میں اس کی
پاگل کبھی مجنوں سے خطا بات کرے ہے

تا ”صرفِ نگاہی“ کا نہ الزام ہو عائد
وہ ”ماہ“ میں اک بار ملاقات کرے ہے

اب اپنی تباہی کا گلہ کس سے کریں ہم
”منت کشیِ غیر“ وہ دن رات کرے ہے

دل ایسا خدا نے مجھے بخشا کہ ”ستم گر“
ہر وقت ”طلب ہائے محالات“ کرے ہے

رکھ طور گو محفوظ اگر ہوش ہے عنبرؔ
کیوں برقِ جفا خو سے سوالات کرے ہے

”سزائے دار و رسن“ کی یہ ”اک الم“ کیا ہے
”شبِ فراق“ کا صدمہ ہی کوئی کم کیا ہے

نہ دو گے ہم کو کبھی ”طعنۂ جنوں“ واعظ
اگر یہ جان لو تم ”گیسوئے صنم“ کیا ہے

تمہاری بات ہمیں بے سند بھی ہے مقبول
یہ بات بات میں تاکید اور قسم کیا ہے

ترا غسالۂ پا ہے ہمیں تو جاں سے عزیز
ہمارے سامنے بے کیف ”جامِ جم“ کیا ہے

ستا ستا کے مری جان کھائے جاتے ہو
اور اس پہ پوچھو ہو تکلیف: ”محترم“ کیا ہے

”غرورِ حسن“ بڑا بے شعور ٹھہرا ہے
اسے خبر نہیں کیا ہے ستم؟ کرم کیا ہے؟

مرا خیال نہ کر اپنی فکر خود کر لے
”غلامِ ساقیِ کوثر“ ہوں مجھ کو غم کیا ہے

مرے کلام میں تاثیر جو ہے تجھ سے ہے
وگر نہ ”گفتۂ عنبرؔ“ میں کوئی دم کیا ہے

جو دل کسی شخص پر مرے گا وہ عمر بھر اشکبار ہوگا
حباب صورت مدام دریائے عشق میں بے قرار ہوگا

یہ لالہ رخ، یہ حسیں بہاریں، پلک جھپکتے فرار ہوں گی
سمجھ رہا ہے کہ ساتھ تیرے وہاں کوئی یارِ غار ہوگا

تو کیوں اچھل کود کر رہا ہے، فریب کیوں اتنا کھا رہا ہے
تو ''گلستاں'' جس کو کہہ رہا ہے یقیں ہے وہ ''خار زار'' ہوگا

یہ چند روزہ ''بہارِ عشرت'' ہے؛ جتنے چاہے مزے اڑا لے
''بروزِ محشر'' بحکم داور تو ''ہمدمِ اہلِ نار'' ہوگا

تو آج ''سالارِ دلبراں'' ہے مگر یہ خلوت میں تو نے سوچا؟
وہ وقت آ کر رہے گا جس دم کہ ''دوشِ ارضی'' پہ بار ہوگا

یہ کوئی بلبل سے جا کے کہہ دے؛ حذر کرے ایسی مستیوں سے
یہ ''فصلِ گل'' ظلِ عارضی ہے؛ تو پھر نہ اس کو قرار ہوگا

تو آہ نادان سو رہا ہے ابھی تو تیرا قدم اٹھا ہے
تو ساتھ میں زاد راہ لے لے! وگر نہ بے اعتبار ہوگا

''جہانِ فانی'' کے طلسموں کا اسیر تو ہو گیا ہے عنبر
نکل بعجلت؛ نہیں تو دامن؛ ترا بھی واں داغ دار ہوگا

''شہیدِ ناز'' بن کر بھی گنوادی زندگی میں نے
مگر پھر بھی نہ پائی خود میں کچھ تابندگی میں نے

زمانے کی ''ادائے دلربائی'' پوچھتے کیا ہو
فنا کر دی ''وفورِ شوق'' میں شرمندگی میں نے

ترے وعدے پہ کیوں جاں دوں تجھے ''ایفاء'' سے کیا نسبت
نہ پائی تیری باتوں میں کبھی پائندگی میں نے

''چراغِ آرزو'' اس نے بجھائے جس پہ تھا تکیہ
فریبی تھا وہ جس کے ساتھ کی باشندگی میں نے

مرے دل کو عجب شوخی سے اس نے کھینچ ہی ڈالا
بڑی مشکل سے کی تھی دور؛ دل کی گندگی میں نے

مری ''ذاتِ ضیاء افشاں'' کو لوگو پوچھتے کیا ہو
مہ وخورشید واختر کو دیا ''رخشندگی'' میں نے

مگر روتا ہوں ہر دم ''شومیٔ قسمت'' پہ اب عنبر
چبھے کانٹے نکالے ہائے پوری زندگی میں نے

میری آنکھوں میں اب آنسو آئیں کیا
دل تو پتھر ہوگیا پگھلائیں کیا
تو ہے گر سلطاں، تو ہم بھی ہیں امیر
ہاتھ تیرے سامنے پھیلائیں کیا
تم تو ہو صاحب! ''غلامِ زر خرید''
ایسے مجبوبوں سے دل بہلائیں کیا
تم نے مجھ کو آہ پہچانا نہیں
ہم تمہارے پاس بولو آئیں کیا
ان کی مرضی ہے کہ دنیا ہو تباہ
اپنی ''زلفِ پر شکن'' سلجھائیں کیا
تم کو میرا غم نہ ہو جائے کہیں
اپنا ویراں سا مکاں دکھلائیں کیا
''غنچہ ہائے زخم'' ہی وہ غنچے ہیں
لاکھ ڈالو آگ وہ مرجھائیں کیا
عشق ہی میں زندگی کا ہے سکوں
اس خطا کاری سے ہم باز آئیں کیا
ہم کہیں گے کچھ؛ کرے گا اور کچھ
ایک مجنوں کو بھلا سمجھائیں کیا
کفر پر دنیا بسر اپنی ہوئی
''جاں کنی'' کے وقت ایماں لائیں کیا
حادثوں میں ہی کٹی عنبرؔ حیات
اب کسی صدمے سے ہم گھبرائیں کیا

نہ جنوں ہے میرا مذہب، نہ میں عشق کا پجاری
مرا کام تجھ پہ مرنا، مرا شغل ''اشکباری''
ترے نام کی قسم ہے ''بہ کمالِ آہ وزاری''
مری ذات ہوگئی ہے ترے در کی اک بھکاری
ترا جب سے ہے ٹھکانا مرے دل کی وادیوں میں
مجھے ہاتھ آگئے ہیں غم وحزن و بے قراری
کبھی ''دوستیِ پیہم'' کبھی دشمنی سراپا
کبھی ضد ہے دین ومذہب، کبھی زود اعتباری
یہ یقیں کہ پر خطر ہیں تری الفتوں کی راہیں
پہ نکل پڑا ہوں تجھ تک، بہ امیدِ کا مگاری
ترا آشنا ہوں جب سے مرا کچھ پتہ نہیں ہے
کہ بھٹک گئی ہے تب سے؛ مری عقل کی سواری
مجھے رشک کیوں نہ آئے تری طبعِ نو بہ نو پر
کہ حیات بھی ملی ہے؛ تو وہی ستم کی ماری
یہ جوابِ غیر کب تک؛ یہ ''ردائے شرم'' کیسی
کبھی توڑ بھی تو دیجئے یہ اصول پردہ داری
مری جان لے رہا ہے یہ طلسم؛ آب وگل کا
مرا ہوش لے رہی ہے یہ تمہاری دوست داری
ترے عنبرِؔ حزیں پر کئی حال آئے لیکن
جو ترا نشہ چڑھا تھا؛ وہ ابھی تلک ہے طاری

جناب کھوئے ہوئے کیوں ہو؟ جستجو کیا ہے
ہمیں بتاؤ کہ اب دل کی آرزو کیا ہے

مرے کلام سے رخ اپنا پھیرتے کیوں ہو
مجھے بتاؤ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

میں فرطِ شوق سے پوچھوں ہوں؛ آپ کیسے ہیں؟
وہ جھنجھلا کے کہے ہیں خموش! تو کیا ہے

کہا یہ رند نے ''ملاّ'' سے؛ آ سکھاؤں تجھے
نماز کیا ہے، تلاوت ہے کیا، وضو کیا ہے

نہ بولو منہ سے؛ اشارے سے جو کہو، چاہو
جو جاں بھی مانگو تو دے دیں گے یہ لہو کیا ہے

اگر ہو عشق میں صادق تو پھاڑ لو دامن
یہ بھول جاؤ جنوں میں کہ آبرو کیا ہے

قسم جمال کی، کھودیں گے شیخ بھی ایماں
اگر وہ جان لیں وہ شوخ مشکبو کیا ہے

اگر مجھی سے محبت ہے پھر یہ بتلاؤ
یہ ''بزمِ بادہ وہنگامۂ عدو'' کیا ہے

یہ سب دماغ کی بکواس ہے میاں عنبر
وگر نہ حسن ہے کیا، کوئے ماہ رو کیا ہے

نہ جانے کیا ہوگیا ہے جی کو جنوں میں کیا کیا وہ بک رہا ہے
معانقہ کیا ہوا ہے تم سے؛ کہ دل ہمارا دھڑک رہا ہے

ملا ہے وہ غم کہ آہ ہر دم؛ جگر کے ٹکڑے چبا رہا ہوں
''سرشکِ حسرت'' ابل رہے ہیں، یہ خونِ ماتم چھلک رہا ہے

کہاں کی تفریح، کیسی مستی، کہاں کے نعرے، کہاں کے نغمے
جہاں جہاں جا رہا ہوں مجھ کو تمہارا شعلہ لپک رہا ہے

ہماری درگت بنی ہے ایسی کہ ''پا بہ زنجیر'' ہوگیا ہوں
ہماری نظروں میں ''باغِ عشرت'' بھی ایک قید خانہ جھلک رہا ہے

مرا مقدر ہوا خمیدہ، بنا ہے گلشن ''خزاں رسیدہ''
نہ کوئی غنچہ چٹک رہا ہے، نہ کوئی گوشہ مہک رہا ہے

وہی پرانی سی کیفیت ہے وہی مجھے جستجو تمہاری
یہ اور شے ہے کہ تجھ کو ہر دم ہماری باتوں پہ شک رہا ہے

نہ بھولتا ہوں، نہ بھول پاؤں گا، وہ ترے معجزے، کرشمے
ہماری آنکھوں میں تیرا جانا، میاں برابر کھٹک رہا ہے

تمہارے ملنے کی کیا حقیقت ؛نظر میں آیا تھا خواب گویا
مگر یہ پاگل تری جدائی میں آج تک سر پٹک رہا ہے

ترے بچھڑتے ہی وقت نصف النہار شب ہوگئی ہماری
ابھی تلک صبح کی تمنا میں یہ مسافر بھٹک رہا ہے

تمہاری کیا یاد آ رہی ہے کہ میں سراپا الم بنا ہوں
"ستم رسیدہ" بتاؤ مجھ ایسا کون زیر فلک رہا ہے

یہ مجھ کو معلوم ہے کہ دنیا میں تیرے جیسے بہت پڑے ہیں
مگر تری چاہتوں کا پلڑا ہمارے حق میں لٹک رہا ہے

یہ "وصلِ بے بود و باش"؛ گویا ہمارے حق میں تھا اک قیامت
کہ "گرمیٔ ہجر" سے ہمارا دماغ اس دن سے پک رہا ہے

وہ کرب و بے چینیاں ہیں پوشیدہ؛ اف مرے "سینۂ سخن" میں
کہ شعر پیہم تڑپ رہے ہیں، قلم برابر سسک رہا ہے

ہمارے سینے میں ایک ہی دل ہے اور چکر میں ہیں ہزاروں
ادھر سے فیض الحسن، ظفر ہیں، ادھر سے امجد اچک رہا ہے

خدا کرے جلد واپسی ہو کہ غم کا مارا غریب عنبر
نہ جانے کس دن سے آہ تیری کھڑا ہوا راہ تک رہا ہے

قطعہ

خدا کی جستجو باقی نہیں ہے
دلِ اللہ ہُو باقی نہیں ہے

پڑھا کرتا ہوں روز و شب نمازیں
مگر میرا وضو باقی نہیں ہے

دنیا کی کسی شے پہ بھروسہ نہیں کرتے
ہم وہ ہیں جو ایمان کا سودا نہیں کرتے
رہتی ہیں ہمہ وقت قدم پر مری آنکھیں
پہلو سے گیا کون، یہ دیکھا نہیں کرتے
کٹتا ہے اگر ہم سے جہاں؛ شوق سے کٹ جائے
جو جائے اسے ہم کبھی روکا نہیں کرتے
غیروں سے تعلق پہ خدا ہوتا ہے ناراض
ہم کوئے ملامت میں کبھی جایا نہیں کرتے
ہے ذات ہماری بھی کمالات کا مخزن
ہم لوگ کسی چیز کی پروا نہیں کرتے
مانا کہ ہے گل رنگ؛ حسینوں کا سراپا
پر ہم تو "بتِ ناز" کو سجدہ نہیں کرتے
یہ سچ ہے کہ تم پھول ہو عالم کوئی گلشن
پر پھول ہمیشہ یوں ہی مہکا نہیں کرتے
گھٹ گھٹ کے چلاتے تو ہیں دریا میں سفینہ
لیکن "غمِ پوشیدہ" کا چرچا نہیں کرتے
پہونچا دے جہنم کی فضاؤں میں جو ہمدم
اس راہ پہ پاؤں کبھی رکھا نہیں کرتے
ہم "میرِ سخن"، "میرِ سخن فہم" ہیں عنبر
تحدیث ہے یہ، ہم کوئی دعویٰ نہیں کرتے

تقدیر کا کاتب مرا ہمراز لگے ہے
تا ''عرشِ بریں'' اب مری پرواز لگے ہے

اے پیر فلک! چھیڑ کوئی اور کہانی
بیکار مجھے وقت کی آواز لگے ہے

کہنے کو تو کہتے ہیں کہ آئے گی قیامت
''میدانِ جزا'' مجھ کو درِ ناز لگے ہے

دیکھے ہے کبھی مجھ کو، کبھی غیر کو یارب
ہر ایک ادا اس کی دغا باز لگے ہے

واعظ! نہ یہاں چھیڑ؛ ابھی قصۂ فرعون
ہوں لاکھ مگر وہ مجھے ممتاز لگے ہے

شاعر ہوں طبیعت میں ہے ''آشفتہ مزاجی''
اچھی مجھے اس در کی تگ وتاز لگے ہے

عنبر کبھی جائے ہے جو واں پاسِ وفا میں
بولے ہے کہ صوفی بھی صنم باز لگے ہے

اس بزم سے اب جی مرا اکتا گیا عنبر
دو رخ سا ہر اک شخص کا انداز لگے ہے

کوئی ہم زباں نہیں ہے، کوئی ہم سفر نہیں ہے
میں غریب ہوں جہاں میں، مرا کوئی گھر نہیں ہے

مرے ہاتھ کیا لگے گا، مری حیثیت ہی کیا ہے
کہ زمانہ جانتا ہے، مجھے بام و در نہیں ہے

وہ بلند قد ہوا کیا، کہ ہوا پہنچ سے باہر
مرا خط کہاں سے پہنچے، کوئی نامہ بر نہیں ہے

میں فضا میں اڑ رہا ہوں، کسی مصلحت کی خاطر
کوئی یہ نہ سوچ بیٹھے، مجھے بال و پر نہیں ہے

مرے دوست آرہے ہیں، مرا حال پوچھنے کو
میں انہیں بتاؤں کیوں کر، مجھے کچھ خبر نہیں ہے

مری زندگی سے اب تک، شب غم گزر نہ پائی
مری قسمتوں میں شاید ابھی تک سحر نہیں ہے

کوئی سہل مرحلہ بھی نہ ہوا ہے طے، نہ ہوگا
کسی دل میں عزم محکم کا گزر اگر نہیں ہے

ہیں امیر ہی کو جینے کے حقوقِ عام حاصل
یہاں مفلسوں کا کوئی بھی گزر بسر نہیں ہے

ہے اگرچہ عام انساں کو، شکر کا روگ لیکن
کہیں اس کی شخصیت میں اثرِ شکر نہیں ہے

تو سراب ہی کو آبِ حیوان جان عنبر
کہ پیاس کا مداوا یہاں سر بسر نہیں ہے

متفرقات

ہے مرے خون سے رنگین مری خاکِ وطن
مجھ سے تابندہ ہیں اس ملک کے صحرا و چمن

مولانا ابوظفر حسّان ندوی ازہری

دل مچل جاتا ہے ہر اک صاحبِ ایمان کا
ذکر جب چھڑتا ہے حضرت بوظفر حسّان کا

ان کے علم وفضل میں پنہاں ہیں وہ گہرائیاں
جیسے سایہ پڑ گیا ہو حضرتِ نعمانؒ کا

علم اور تقویٰ کا ایسا خوبصورت امتزاج
آئنہ گویا ہیں پچھلے دور کے اعیان کا

آسمانِ معرفت کا اک منور آفتاب
دیکھنے میں وہ مگر پیکر کسی انجان کا

بولنے پر آئیں تو الفاظ کے موتی جھڑیں
اک نمونہ ہیں جہاں میں وائلِ سحبان کا

کیوں کہ نہ کہئے خطبۂ حسّان کو ''فصلِ خطاب''
موڑتے دیکھا ہے رخ ہم نے کئی طوفان کا

''دیں'' کے کھلتے ہی چلے جاتے ہیں اسرار ورموز
درس دینے بیٹھ جائیں جب بھی وہ قرآن کا

دردِ ملّت نے انہیں رکھا ہے ایسا بے قرار
جیسے خطرہ ہو کسی بے کس کو اپنی جان کا

خوبیِ اخلاق میں ان کی نہیں کوئی نظیر
ان کی عظمت سے بڑھا معیار ہندستان کا

اک پیام جاں فزا ہے ان کا اسلوبِ سخن
رمز ہاتھ آیا ہو گویا ''شاعرِ خاقان'' کا

شاعری سے ان کا ذوقِ والہانہ کیا کہیں
ان کا سینہ ہے دفینہ سینکڑوں دیوان کا

سننے والوں سے سنا ہم نے یہ جملہ بارہا
ہم نے کم دیکھا ہے عالم اس نرالی شان کا

سنتِ پیغمبری سے ان کو ایسا عشقِ تام
گویا غرفہ کھل گیا ہو وادیٔ فاران کا

ان کی شانِ بے نیازی کا کرشمہ دیکھئے
تن فقیروں کا ہے لیکن بانکپن سلطان کا

خندہ پیشانی سے استقبال ان کا مشغلہ
وفد عالم کا ہو یا پھر کارواں دہقان کا

انکساری ان کا شیوہ، بردباری حرزِ جاں
سینہ ان کا ہے مگر دل حضرتِ عثمانؓ کا

آدمیت کا انہیں ہر آن اس درجہ خیال
دل دکھانا ان کو آتا ہی نہیں انسان کا

فکرِ امّت نے انہیں کب چین سے سونے دیا
گھر بھی گویا ایک گوشہ ہے کسی زندان کا

گو سیاست میں نہیں لیکن ہے ان پر منکشف
رنگِ امریکہ ہو یا پھر حال ہو افغان کا

زندگانی ان کی ہے عنبر سلف کی یادگار
عصرِ حاضر میں حسیں تحفہ ہیں یہ رحمٰن کا

نذر ڈاکٹر محمد علی پاٹنکر (ممبئی)

چمن کا رنگ سراپا شراب لگتا ہے
ہر ایک پتّہ نزاکت مآب لگتا ہے
''گلابِ شعلہ بدن'' ہو کہ داغ لالہ کا
کسی حسین کا کوئی شباب لگتا ہے

گلوں سے آج پپیہے نے یہ سوال کیا
بتاؤ کس نے گلستاں کو پُر جمال کیا
دیا جواب یہ پھولوں نے؛ کیا نہیں معلوم
''بہارِ تازہ'' نے ہر ایک کو نہال کیا

''غریق ِنغمہ'' ہوئیں بلبلانِ خوش الحاں
نفس نفس سے ہے ان کا سرور آج عیاں
یہ'' موسمِ گل وبلبل'' ہمیں مبارک ہو
یہی کہے ہے برابر کلی کلی کی زباں

تری ادائیں نرالی تری ترنگ عجیب
بلند تر ہے فلک سے بھی تیرا اوجِ نصیب
ملا ہے جب سے غریبوں کو تیرا حسنِ سلوک
ہر ایک خندہ بلب ہے قریب ہو کہ رقیب

ترا دماغ ہے ''مانندِ گلستانِ ارم''
کہ تیری ہمت وجرأت ہے ''حیرتِ رستم''
شکست تم نے نہ کھائی نہ ہار سیکھی ہے
خدا کرے کہ تری شان تا ابد ہو نہ کم

تجھے گرانے کو گر چہ بہت عدو آئے
ترے قدم میں کبھی بھی نہ زلزلہ آئے
ترا وجود رہا ہے ہمیشہ سر بہ کفن
رہی ہے کس میں یہ طاقت کہ تم سے آ ٹکرائے

تمام راہ گزاروں کا سنگ میل ہے تو
برائے قافلہ اک نغمۂ رحیل ہے تو
تجھے جلائے گی ہرگز نہ آتشِ نمرود
صنم کدہ ہے جہاں، ''عاشقِ خلیل'' ہے تو

ہے اک مثال؛ برائے جہاں ''شعور'' ترا
نہیں حریف کوئی ایک دور دور ترا
تجھے دیا ہے خداوند نے جہاں بینی
نہال کرتا ہے ہر شخص کو حضور ترا

ترے نوال سے ہندوستاں ہے خوش منظر
ہے بلکہ عالم انسانیت پہ تیری نظر
نہیں کلام ہے اس میں کہ اک نسیم ہے تو
ترا وجود ہے لاریب اک فروغ سحر

ہے تری ذات عمل اور علم کا سنگم
ترے قلم سے ہوئی ہیں حقیقتیں ہی رقم
دبا سکا نہ تجھے وقت کا کوئی طاغوت
ہمیشہ سر بہ فلک ہی رہا ترا پرچم

ترا ہی درد ہے گر دیکھ لے تو دردِ فقیر
ہر ایک شخص ہے تیری محبتوں کا اسیر
نوازشوں کا تری ہر کوئی ثنا خواں ہے
وہ سرزمینِ مہاراشٹر ہو یا کشمیر

تری بلند نگاہی کی ہے یہ تازہ مثال
کہ کھل رہا ہے جو ہندوستاں میں بیت المال
مجھے یقیں ہے اگر تیز تر ہو تیرا سفر
تو ہو سکیں گے مسلمان بالیقیں خوش حال

نہ جانے کتنے ہی مظلوم کو پناہ میں ملی
بہت ہیں جن کو ترقی کی شاہراہ ملی
قسم خدا کی محمد علی کے جذبے سے
جو رہ نشیں تھے انہیں خوئے بادشاہ ملی

اگرچہ تو ہے جواں، تیری شخصیت ہے جواں
مگر دماغِ فلاطوں بھی تجھ پہ ہے قرباں
خدا کرے کہ ترا خون یوں ہی گرم رہے
کہ نسلِ نو پہ ہیں تیرے عظیم تر احساں

تو ایسی ذات کریمانہ کا ہے چشم و چراغ
کہ جس کو کارِ مسلماں سے مل سکا نہ فراغ
دعاء یہی ہے ہماری کہ تیرے والد کا
رہے ہمیشہ ثمر دار و تازہ سارا باغ

عطا تجھے جو ہوا ہے یہ تاج سلطانی
بتا رہا ہے کہ تجھ پر ہے فضل ربانی
کھلاؤ ان کو سدا شخصیت کی شبنم سے
شگوفے دیکھ رہے ہیں تمہاری پیشانی

یہ کیف و وجد میں ڈوبے ہوئے ترے دن رات
نوا سرائی سے معمور یہ ترے لمحات
یقیں ہے جو بھی ملا ہے تجھے مقامِ بلند
شریکِ حال ہے اس میں تری شریکِ حیات

ہر ایک ذرہ ہے شاہد تری لیاقت کا
ہر ایک سمت ہے شہرہ تری شجاعت کا
مری دعاء ہے یہ عنبر کہ تا حیات رہے
دراز سلسلہ تیری حسیں رفاقت کا

امیر شریعت مولانا نظام الدین مدظلہ

یہ رنگ ونور کا کیسا حسین سنگم ہے
یہ علم وفضل پہ کیسا شباب پُر دم ہے

یہ کس کا فیض نظر ہے کہ آج عالم میں
ہمالیہ سے بھی اونچا ہمارا پرچم ہے

وہ ذاتِ قدس کہ جو ہے امیرِ شرعِ متیں
وہ شیخ جس کو زمانہ کہے نظام الدیں

تفردات سے مملو ہے شخصیت ان کی
تجربیات سے تابندہ تر ہے ان کی جبیں

کمالِ علم وہنر ان کا دست وبازو ہے
تمام جاننے والوں پہ ان کا جادو ہے

جدھر بھی جایئے یوپی ہو یا کہ ارضِ بہار
ہر ایک سمت انہیں کے نَفَس کی خوشبو ہے

حضور شعروادب کا ہیں ایک گنجینہ
بھرا ہے حکمتِ وافر سے آپ کا سینہ

ڈھلا ہے سنتِ خیر الوریٰ میں ان کا وجود
ہمارے دور میں اسلاف کا ہیں آئینہ

فلک شگاف ہے لاریب آپ کی پرواز
جلالِ شاہ سے معمور آپ کا انداز

خدا نے آپ کو بخشی ہے وہ نگاہِ قبول
وجودِ پاک ہے محمود اور زمانہ ایاز

وہ ذوق نظم کہ ملت میں اتحاد ہوا
ہر ایک مردِ مسلمان دل سے شاد ہوا

چراغِ فکر کی لو اتنی نور بار ہوئی
ظلام، بزم نظامی میں نامراد ہوا

وہ مردِ فرد جسے حق پسند کہتے ہیں
وہ جس کو اہل نظر درد مند کہتے ہیں

وہ جس کے دم سے ہے مضبوط تر پرسنل لا
اسی نظام کو شیرازہ بند کہتے ہیں

زمانہ جس کو امارت کا نام دیتا ہے
وہ مے کدہ جو تفقہ کا جام دیتا ہے

یہ آپ ہی کی سعی ہے کہ ساری دنیا میں
وہ آج شمعِ ہدایت کا کام دیتا ہے

اگرچہ عمرِ مبارک رواں ہے تیز قدم
مگر ہے آپ کے بازو میں آج بھی دم خم

دماغ ایسا کہ رازیؒ کو رشک آجائے
ضمیر ایسا کہ ہو شرمسار ساغرِ جم

بدن میں ضعف مگر ہر گھڑی ہے عزم سفر
وہ دردِ قوم کہ عرصہ سے ہے سفر ہی حضر

قدم نہ روک سکی ان کا آتشِ نمرود
ہر اک مقام سے گزرے بغیر خوف وخطر

عجب نہیں کہ ہمایوں ہے شخصیت ان کی
ہر ایک شخص کو مطلوب عافیت ان کی

نہ جانے کتنے ہی شاہین کو ملی پرواز
حسین وشوخ ہے آغوشِ تربیت ان کی

جہاں میں اور بھی دیکھی ہیں ہستیاں میں نے
بہت قریب سے دیکھیں تجلیاں میں نے

نظر نہ آیا مگر آپ سا کوئی جلوہ
نظر ہزار پھرائی یہاں وہاں میں نے

خدا کرے کہ عطا آپ کو ہو عمرِ خضر
لگے نہ آپ کو ہرگز کسی بشر کی نظر

انہی کی ذات ہے فی الوقت قائدِ ملت
نہیں جہاں میں کہیں آپ سا کوئی رہبر

وہ ایک راہ نما عہد نو کے انساں کا
وہ اک نشان زمانے میں ذاتِ رحماں کا

وہ مردِ حق جسے ہم نور کا منارہ کہیں
وہ ذات جس پہ بھروسہ سبھی مسلماں کا

مدرسے کا اہلِ وطن سے خطاب

پھر بغاوت کا ہر اک شے پہ نشہ طاری ہے — کفر کی تیشہ زنی ہے کہ سدا جاری ہے
آج طوفان بکف حلقۂ زناری ہے — ''شمعِ اسلام'' کو گل کرنے کی تیاری ہے

فکرِ ظلمت زدہ کہتی ہے کہ قرآں مٹ جائے
صفحۂ دہر سے کعبہ کا نگہباں مٹ جائے

بزمِ عالم میں کوئی صاحبِ ایماں نہ رہے — دین وملت کا کوئی عارفِ ذی شاں نہ رہے
شمعِ اسلام؛ زمانے میں فروزاں نہ رہے — گرم و پُرعزم کبھی خونِ مسلماں نہ رہے

بس اسی فکر میں اللہ کے دشمن ہیں دواں
یہ مہم اب نہیں اللہ کے بندے سے نہاں

مدرسہ؛ جس نے محبت کا جنوں عام کیا — مدرسہ؛ جس نے اخوت کو مے وجام کیا
مدرسہ؛ جس نے شیاطین کو ناکام کیا — مدرسہ؛ جس نے عداوت کو تہِ دام کیا

آج ''سر چشمۂ نفرت'' تجھے لگتا ہے وہی
کیوں نہ کہہ دوں کہ تری آنکھ میں غیرت نہ رہی

کس نے مٹی تری افلاک کا ''ہم دوش'' کیا — کس نے ''آوازۂ انگریز'' کو خاموش کیا
کس نے مغرب کے فسوں ساز کو بے ہوش کیا — کس نے پروانۂ آزادی کو ''پرجوش'' کیا

کیا مرا ''عہدِ وفا''، ''رسمِ وفا'' بھول گئے
کیا مرا ''درد ونوا''، ''سوز وادا'' بھول گئے

آج کہتے ہو کہ ہو جاؤں میں یکسر نابود — جبکہ میں ہی وہ کرشمہ ہوں کہ تم ہو موجود
میرے ہونے سے ہے دنیا کا سبھی رقص وسرود — مجھ کو بے سود نہ سمجھو کہ نہیں ہوں بے سود

پھول کھل سکتے نہیں ''بادِ بہاری'' کے بغیر
نشہ آسکتا نہیں ''بادہ گساری'' کے بغیر

ہم نے قاسمؔ دیئے اس ملک کو آزادؔ دیئے — ہم نے محمودؔ دیئے، سندھ کا فرہاد دیئے
ہم نے احمدؔ دیئے، ضامنؔ دیئے، امدادؔ دیئے — ہم نے دشمن کے ''گرآموختہ صیاد'' دیئے

ہے مرے خون سے رنگین مری خاکِ وطن
ہم سے تابندہ ہیں اس ملک کے صحرا وچمن

ہفت روزہ الحیات

ہوشمندوں کی زمیں سے جب ہوا میرا گزر
وہ زمیں جس سے منور ہے ''جبینِ کائنات''
میں نے پائی ذرے ذرے میں ''فغانِ لاالٰہ''
جس کی سوزش سے نکلتے ہیں ''دمِ لات ومنات''
''شیشۂ مغرب'' پہ غالب تھا وہاں ''مشرق کا خم''
برہمن زادے کی رگ رگ میں نہاں ''مسلم صفات''
''محوِ حیرت'' تھا کہ یارب کون سی بستی میں ہوں
جس کی ہیبت سے ''ارسطو شیخ'' بھی کھا جائیں مات
کس کے جلوے نے گدائی کو عطا کی خسروی
کس نے قطرے کو سکھا رکھے ہیں ''آدابِ فرات''
معنویت میں نہیں جس کی جہاں بھر میں نظیر
''اوجِ شہرت'' میں زمین وآسماں ''مثلِ زکوٰۃ''
گرچہ صورت میں ''تب وتابِ نظر سوزی'' نہیں
حسن ظاہر کو زمانے میں نہیں کچھ بھی ثبات
یہ صدا آئی اچانک ''پردہ ہائے غیب'' سے
اے ''شرابِ جستجو'' کے ''مے کشِ عالی صفات''
گلشنِ عالم میں ہے ہنگامہ آرا عندلیب
ہے ''سپہرِ علم'' میں عنبر طلوعِ ''الحیات''

شکوہ بطرزِ شکوہ

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ کے نام خط

میں شب وروز سدا ''محو فغاں'' رہتا ہوں
خوگرِ خنجرِ بے درد واماں رہتا ہوں
صورتِ خوں میں رگ وپے میں رواں رہتا ہوں
''شعلۂ طور'' کی مانند جواں رہتا ہوں
ہر گھڑی قوم میں چلتا ہے فسانہ میرا
مرثیہ شوق سے پڑھتا ہے زمانہ میرا

دل میں اٹھتا ہے دھواں، آنکھ میں بیداری ہے
حسرتوں سے ہی ہمیں الفت ودلداری ہے
''خوئے تسبیح'' گئی، عادت زناری ہے
دشمنی نور سے، ظلمت سے وفاداری ہے
آنکھ محروم مری ہوگئی بینائی سے
جی لرزتا ہے مرا؛ گوشۂ تنہائی سے

ہائے افسوس کہ دنیا مری برباد ہوئی
کلفت وغم سے طبیعت مری؛ ناشاد ہوئی
میری حالت ''صفتِ ہستی فرہاد'' ہوئی
دل کی دنیا مری الحاد سے آباد ہوئی
ہوں مسلمان؛ پہ شرمندہ مسلمانی ہے
مجھ سے آزردہ مری غیرت ایمانی ہے

رات دن شوق سے کرتا ہوں صنم کے پھیرے
یعنی کرتا نہیں اب صحنِ حرم کے پھیرے
صرف ہوتے ہیں پری وش کے قدم کے پھیرے
بادہ خواروں کی طرح؛ ساغر جم کے پھیرے
چاہے جلوت ہو کہ خلوت ہو؛ وہ یاد آتے ہیں
دل کی دھڑکن کو بڑھاتے ہی چلے جاتے ہیں

طالبِ دید ہوں الفت کا طلبگار ہوں میں — عاشقِ لعل ولب ودیدہ ورخسار ہوں میں
''گیسوئے گل'' کے شکنجے میں گرفتار ہوں میں — ایک مدت سے اسی شوخ کا بیمار ہوں میں

عشق جب ''حد ونہایت'' سے گزر جاتا ہے
پھر تو محبوب کا جلوہ ہی نظر آتا ہے

یوں تو ظاہر میں کہیں برق نہیں، طور نہیں — قیس ولیلیٰ'' نہیں اور قصۂ منصور نہیں
میں کسی غیر کے ہاتھوں کوئی مجبور نہیں — دل مرا کون سے آزار سے معمور نہیں

میرا دل خانۂ کعبہ نہیں؛ بت خانہ ہے
ایک مدت سے اسی زلف کا دیوانہ ہے

میری ہوتی ہے بسر صبح کہیں ،شام کہیں — غم کے ماروں کو کہاں راحت وآرام کہیں
ختم ہوتے ہیں کبھی ہجر کے ایام کہیں؟ — میری مانند نہیں کشتۂ آلام کہیں

مجھ کو فرصت نہیں شبنم کی طرح رونے سے
ہائے کیا ہو گیا اک قلب وجگر کھونے سے

لے گیا عشق مرا؛ ہوش وخرد، ذہن ودماغ — بھن گیا آتشِ الفت سے مرے علم کا باغ
لٹ گیا ذوقِ عمل بجھ گیا تقویٰ کا چراغ — رہ گئے ''سینۂ پرخوں'' میں فقط یاس کے داغ

یوں تو منطق بھی، بلاغت بھی، فقاہت بھی ہے
رنج وغم یہ ہے کہ مولا سے بغاوت بھی ہے

وہ بھی دن تھے کہ طبیعت میں کوئی بات نہ تھی — رنج وغم سے مری کوئی بھی ملاقات نہ تھی
اپنی قسمت میں یہ تاریک وسیہ رات نہ تھی — مجھ پہ کونین کے آفات کی برسات نہ تھی

اپنی دنیا تھی الگ، غیر سے بے گانہ تھے
میرے انداز لڑکپن سے بزرگانہ تھے

دفعتاً پاؤں مرے جب بھی پھسل جاتے تھے — آپ ہی آپ وہ گر گر کے سنبھل جاتے تھے
ظلمتِ دہر کی دلدل سے نکل جاتے تھے — سوئے حق شوق سے پیشانی کے بل جاتے تھے

ہم تھے آزاد خم وپیچ کی یلغاروں سے
ہم کو افسوس نہ تھا غیر کے آزاروں سے

ہائے اب ''سادہ وآزادہ'' وہ بچپن نہ رہا — بے شعوری کا وہ اک مامن ومسکن نہ رہا
میرے ہاتھوں میں جو تھا، ہائے وہ دامن نہ رہا — کیوں نہ سر پیٹ کے رووں کہ نشیمن نہ رہا

موسم گل جو گلستاں سے بچھڑ جاتے ہیں
غم سے پتے بھی ہر اک شاخ سے جھڑ جاتے ہیں

تھا وہ اک دور کہ دل ''پارۂ سیماب'' نہ تھا — ''سازِ دل'' تھا تو وہی؛ تشنۂ مضراب نہ تھا
زندگی خوب تھی ؛گو ''حلقۂ احباب'' نہ تھا — برق تھی واں بھی مگر ''سینۂ بے تاب'' نہ تھا

شان ایسی تھی جسے شان کریمی کہیے
وہ ہوا تھی کہ جسے باد نسیمی کہیے

بچپنا ختم ہوا آگیا پھر عہد شباب — بن گیا میرے لئے فتنہ گر وخانہ خراب
آ گیا لے کے مرے پاس؛ امنگوں کی شراب — میری آنکھوں کو دکھاتا ہے وہ رنگین سا خواب

اب جوانی ہے، جوانی کی خرافاتیں ہیں
لاکھ سمجھائے کوئی پھر بھی وہی باتیں ہیں

لاکھ آ جائے مرے در پہ مصائب کا ہجوم — کیا خبر؟ اپنی حقیقت ہی نہیں جب معلوم
ہے مری ذات چراغِ رہِ آفاق ونجوم — میں ہوں محروم کہ ہے قلب ہی میرا مرحوم

دل ہو زندہ تو ''جہاں'' برق وشرر رکھتا ہے
ورنہ ''مُردوں'' کی طرح قبر میں سر رکھتا ہے

پہلے سنتا تھا محبت میں جفا ہوتی ہے — زندگی تلخ وستم کیشِ وفا ہوتی ہے
اک گھڑی خوش ہو تو اک آن خفا ہوتی ہے — جان کھو دیجئے جب جا کے شفا ہوتی ہے

اب مرے لب نے چکھے اشک پیازی کے مزے
تلخ تر مجھ کو لگے عشق مجازی کے مزے

کیسے آرام ہو محبوب کے شیدائی کو — چین ملتا ہی نہیں زلف کے سودائی کو
سوجھتا کچھ بھی نہیں بندۂ یکجائی کو — صرف چاہے ہے اسی دلبرِ ہرجائی کو

جو جگر کھینچ لے پہلو سے مگر نام نہ لے
مجھ سے رونے کے سوا اور کوئی کام نہ لے

جو کبھی آج رہے غیر کے کاشانوں میں اور شامل ہو کبھی میرے ثنا خوانوں میں
ایسے بت آج بھی کتنے ہیں صنم خانوں میں جن سے لرزاں ہے "وفا" عشق کے ایوانوں میں
جن کے "اندازِ تغافل" سے زمانہ ہے خجل
جن سے صد پارہ و صد لخت ہیں عشاق کے دل

جان و دل لے کے بھی ہم عشق میں ناکام ہوئے ہم وفادار ہیں اور مفت میں بدنام ہوئے
زخم کھا کھا کے "اسیرِ غمِ ایام" ہوئے مجمعِ کفر میں ہم "تارکِ اسلام" ہوئے
وضع میں ہم ہیں مسلماں، پہ مسلمان نہیں
دل میں ایمان نہیں، "عظمتِ قرآن" نہیں

وہ جو روٹھا تو قیامت کا نظارہ دیکھا ڈوبتا اپنے مقدر کا ستارا دیکھا
اس کے غصے میں جہنم کا شرارہ دیکھا لالہ و گل کو بھی دکھ درد کا مارا دیکھا
جو کوئی جانِ جگر؛ عشق میں کھو دیتا ہے
گرچہ خوش وقت ہو؛ بے ساختہ رو دیتا ہے

دل کی دنیا ہے "تصاویرِ بتاں" سے آباد ہم ہیں نخچیر، زمانہ ہے ہمارا صیاد
ہم بھی صد حیف! ہوئے قید خدا سے آزاد ہم ہوئے تارکِ اسلاف و طریقِ اجداد
ہم ہوئے "چشم و لب و زلف" کے آفاق میں گم
ہوش ہم سب کا ہوا "قاتلِ اخلاق" میں گم

کوئی کعبہ، نہ کلیسا نظر آتا ہے مجھے جس طرف دیکھوں ہوں صحرا نظر آتا ہے مجھے
جو بھی ملتا ہے تماشا نظر آتا ہے ہمیں ہر کوئی "مثلِ زلیخا" نظر آتا ہے مجھے
یہ کرشمہ ہے "نگاہِ رخِ لیلائی" کا
جس کے جلوے سے ہے دل خون؛ تمنائی کا

قہر تو یہ ہے مرا خونِ جگر پی کے پلے اب مرے سامنے ہر وقت وہ اترا کے چلے
دل کی معصوم تمنا کو "کفِ پا" سے ملے چاہے دنیا مری آباد رہے یا کہ جلے
پھر بھی چاہت ہے اسی کی یہ تماشا کیا ہے
جو نہیں جانتے الفت کا تقاضا کیا ہے

جو مرے دشمنِ جانی کے اشاروں میں رہے چار سمتوں سے ہمہ وقت نظاروں میں رہے
ایک جا جم نہ سکے اور ہزاروں میں رہے نوجواں نسل کے پر کیف دلاروں میں رہے
جو رقیبوں کی خوشامد پہ سنائے نغمے
اور لکھے مری تقدیر میں لاکھوں صدمے

آہ! آنکھیں ہیں مری شدتِ غم سے نمناک جوشِ گریہ سے زمیں اور فلک ہیں صد چاک
یہ جوانی ہے کہ ہے صدمۂ فوق الادراک کر نہ دے مجھ کو یہ کمبخت کہیں "لقمۂ خاک"
اے زمانہ! مجھے بچپن دے، جوانی لے لے
بے خودی دے دے، یہ الفاظ و معانی لے لے

پھول ملتے نہیں بس خار نظر آتے ہیں جو بھی ہیں برسرِ پیکار نظر آتے ہیں
ہر طرف حزن کے آثار نظر آتے ہیں میری آنکھوں کو فقط "دار" نظر آتے ہیں
وقت بے وقت کئی "برقِ نظر" گرتی ہے
آہ دوزخ مری آنکھوں میں سدا پھرتی ہے

جس جگہ دیکھئے سج دھج کے وہیں ہیں موجود حسن ہوتا ہے تو ہوتا ہے جہاں لامحدود
اس کی کج مج سی ادائیں بھی لگے ہیں محمود عشق کا جب بھی کسی نفس میں ہوتا ہے ورود
جس کی دنیا میں یہ آجائے تو تقویٰ کیا ہے
حشر کیا چیز ہے، اندیشۂ عقبیٰ کیا ہے

عشق نے کتنے خرد مند کو برباد کیا جو تھا آزاد؛ اسے لقمۂ صیاد کیا
شہر ویران کیا، دشت کو آباد کیا قیس کو "اہلِ جنوں" اور کو فرہاد کیا
عشق؛ شاگرد کو استاذ بنا دیتا ہے
اور استاذ کو سولی پہ چڑھا دیتا ہے

آہ کوچوں میں پھرا؛ حق پہ گزر کر نہ سکا جستجو بت کی رہی رب پہ نظر کر نہ سکا
ناز، نخرے تو سہے، معرکہ سر کر نہ سکا زندگی کی "شبِ تاریک" سحر کر نہ سکا
عمر اپنی رخِ صد رنگ کی خاطر گزری
اپنے مولا سے فقط جنگ کی خاطر گزری

جب لگی چوٹ تو اب مجھ کو خدا یاد آیا　　صور پھونکا گیا تب ''روزِ جزا'' یاد آیا
اہل دل مردِ قلندر کا پتا یاد آیا　　دم نکلنے کی گھڑی دست شفا یاد آیا

ذکر مولیٰ سے جگر چین وسکوں پاتے ہیں
مردِ حق ''معرفتِ و سوزِ دروں'' پاتے ہیں

جی میں ہے ترک کروں ساقی و مے خانے کو　　چھوڑ دوں ناز بتاں، توڑ دوں پیمانے کو
ہاتھ دوں اپنا خداوند کے دیوانے کو　　مشعلِ راہ بناؤں کسی فرزانے کو

خاکِ پا بن کے کسی مست کے قدموں میں رہوں
زنگِ دل دور کروں، ''بحر الٰہی'' میں بہوں

بس اسی واسطے اے شیخ! یہاں آیا ہوں　　گرد آلود، پچھاڑا ہوا دل لایا ہوں
غرقِ عصیاں ہوں، کئے فعل پہ پچھتایا ہوں　　اپنی آشفتہ مزاجی پہ بھی شرمایا ہوں

آدمی بحرِ مصیبت میں جو گھر جاتا ہے
حق پہ آجاتا ہے، طاغوت سے پھر جاتا ہے

قصہٴ درد سناؤں تو سناؤں کب تک　　قطرہٴ اشک بہاؤں تو بہاؤں کب تک
دل کو شعلے سے جلاؤں تو جلاؤں کب تک　　راز سینے میں چھپاؤں تو چھپاؤں کب تک

ہوگیا آہ سے لبریز یہ پیمانہ مرا
مرگیا یار کے پیچھے دل دیوانہ مرا

اب یہ وعدہ ہے خطا میں نہ کروں گا ہرگز　　کسی مٹی کے صنم پر نہ مروں گا ہرگز
شوخیٔ حسن کا کچھ دم نہ بھروں گا ہرگز　　اپنا سر غیر کے در پر نہ دھروں گا ہرگز

اب فقط اپنے خداوند کو خوش کرنا ہے
اس کے احکام وفرامین پہ مٹ مرنا ہے

مرشدِ ما وہمہ! مجھ کو مجلیٰ کر دے　　دل کے آئینے کو شفاف ومصفیٰ کر دے
تربیت دے کے مجھے ذات معلیٰ کر دے　　میرے احوال کو حنظل سے منقیٰ کر دے

تا کہ دل رب سماوات کے قابل ہو جائے
مرضیٔ رب مری تقدیر پہ نازل ہو جائے

ہفت روزہ البلاغ پڑھ کر

ذرے ذرے کا پھڑک اٹھا ہے خوابیدہ دماغ
صبحدم جس کان میں آئی اذانِ البلاغ

اس کی رگ رگ میں ہیں جادوئی ادائیں جلوہ گر
''صورتِ بسمل'' تڑپ اٹھتے ہیں کیوں جنت کے باغ؟

نے نوازی وہ کہ جس سے مات کھائیں عندلیب
وہ تجلی؛ جس سے خاکستر ہوئے ''طورِ چراغ''

گیسوئے برہم جو کھولے ہے تو محشر ڈھائے ہے
منہ اگر دکھلائے؛ غش کھا جائے ہے لالے کا داغ

یہ ''مدیرانِ ادب ایجاد'' کا اعجاز ہے
جن کی ''چشمِ بیں'' لگا لیتی ہیں گردوں کے سراغ

گر کسی کو ''شورشِ امروز وفردا'' چاہئے
مولسری کے پاس آکر ہی کرے حاصل فراغ

کس نے سکھلائی ہے رندوں کو یہاں ساقی گری
خود بخود پہونچے ہے ہر ہر ہاتھ میں ''جنسِ ایاغ''

فطرتِ گلشن شرابِ زیست سے مخمور ہے
دیدۂ عنبر یہاں ''مثلِ کلیم طور'' ہے

ایک اپنا جو بیگانہ بن گیا

سناؤں کیا کہ خوں فشاں ہے ان کی میری داستاں
مری مثال ہے زمیں، تو ان کی ذات آسماں
صنم کے ظلم وجور ہیں؛ جہاں کی آنکھ پر عیاں
سرور پاس رکھ لیا، ہمیں دھرا دیا فغاں
مگر اسی پہ ناز ہے کہ ہم تو سرخ رو ہوئے
عزیز ''چشمِ دہر'' میں مثالِ آبرو ہوئے

ملی جو دولت سکوں تو آپ ہی چھپا لیا
غموں کی آندھیاں چلیں؛ تو پھر ہمیں بلا لیا
غمِ فراق دے کے ہم سے ہر سکوں چھڑا لیا
قدم قدم پہ اجنبی کو راز داں بنا لیا
قدیم رسم وراہ کو وہ آن میں بھلا گئے
منافقوں کے جال میں جناب جلد آ گئے

ادب سے واسطہ رہا نہ روح میں حیا رہی
رہی تو بس طبیعتوں میں عادتِ دغا رہی
طوائفوں کی شکل سی حضور کی ادا رہی
''متاعِ آب'' لٹ گیا مگر وہی ''انا'' رہی
خسیس فطرتوں کا کام اور نام اور ہے
''پری وشوں'' کی زندگی کی صبح وشام اور ہے

مثالِ مے کبھی یہاں کبھی وہاں نکل گئے
جہاں گئے تو مے کشوں کی بوتلوں میں ڈھل گئے
دماغ اس قدر چڑھا کہ پاؤں ہی پھسل گئے
غرور تھا تو ''آتشِ غرور'' ہی میں جل گئے
کوئی بھی ''عشقِ دلبراں'' میں جان ودل جلائے کیوں
جو با حیا ہو اب وہ کوئے عاشقی میں جائے کیوں

کبھی تھے ہم بھی اک اسیر عالمِ خیال کے
کیے ہیں ہم نے بھی طواف؛ صاحبِ جمال کے
مرے رقیب ہوش میں ذرا قدم سنبھال کے
یہ سانپ ہے جسے رکھا تھا آستیں میں پال کے
مگر جوان جب ہوا مجھے ہی شوخ ڈس گیا
مسرتوں کے ڈھیر پر عذاب اک برس گیا

وہی کہ جس کی چاہتوں میں روسیاہ ہم ہوئے
وہی کہ جس کی الفتوں میں پر گناہ ہم ہوئے
وہی کہ جس کی حسرتوں میں گردِ راہ ہم ہوئے
وہی کہ جس کی آن بان میں تباہ ہم ہوئے
وہی ہمارا کاسہ لیس، اوستاذ بن گیا
وہ کم عیار عنکبوت، آج باز بن گیا

وفائے پر سکوں کا خواب آہ خواب رہ گیا
مرا سوال آہ تشنۂ جواب رہ گیا
خرد کی فوج لٹ گئی ''دلِ خراب' رہ گیا
''بساطِ عیش'' الٹ گئی یہ پیچ وتاب رہ گیا

محبتوں کے راستے میں خار تھے بچھے ہوئے
قدم قدم پہ ''تختہ ہائے دار'' تھے لگے ہوئے

''درِ صنم'' پہ ہر حرام کو؛ حلال کیجیے
''مزاجِ یار'' پر فدا؛ تمام حال کیجیے
نہ عرضِ حال کیجئے نہ عرضِ قال کیجیے
بس ان کے پاس آبرو کو پائمال کیجیے

جبھی رہے گا آپ کے سروں پہ سایۂ ہُما
بجز غبار کے نہیں؛ یہاں کوئی ہمہ شما

اگر انہیں بغاوتیں سکھائیے؛ تو ٹھیک ہے
اگر انہیں نمائشیں دکھائیے؛ تو ٹھیک ہے
تمام وقت ان کو گر منائیے؛ تو ٹھیک ہے
ذرا بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائیے؛ تو ٹھیک ہے

نہیں تو ''بزمِ دہر'' میں ذلیل آپ سا نہیں
اگر یہ بات ہو تو پھر خلیل آپ سا نہیں

تمہیں ہو جس پہ ہم نے اپنی آبرو کو کھو دیا
حصولِ رحمتِ خدا کی جستجو کو کھو دیا
نماز کیسے ہم پڑھیں گے جب وضو کو کھو دیا
تمہارے غم میں نیم شب کی ہاؤ ہو کو کھو دیا

ہمارے دل سے رفتہ رفتہ آیتیں نکل گئیں
ہماری شب سے ذکر کی حلاوتیں نکل گئیں

تمہیں تو اپنی مہ رخی وکج روی پہ ناز ہے
ادائے قیصری وطرزِ غزنوی پہ ناز ہے
نگاہِ برق اور شکوہ خسروی پہ ناز ہے
جہانِ گل رخاں کی جاہ وسروری پہ ناز ہے

اگرچہ ہم حقیر ہیں لٹے ہوئے پٹے ہوئے
مگر ہیں اپنی غیرتوں کے حال پر جمے ہوئے

ترے لئے سکون میری ذات پر حرام تھا
تری ہی فکر میں؛ فقط غموں سے کام وام تھا
فضیلؔ طاق میں دھرا تھا اور قیسؔ نام تھا
تو لذتوں میں غرق اور میں ہی تشنہ کام تھا

ترے حضور مثلِ سایہ ہم ہی ساتھ ساتھ تھے
کہ تیری ذات کے ہمیں قوی ترین ہاتھ تھے

ہمارا دامنِ سفید داغ دار کر دیا
ہمارا ریشمی لباس؛ تار تار کر دیا
ہمارا زخمِ دل بڑھا کے سو ہزار کر دیا
ہمارے ''راز ہائے دل'' کو آشکار کر دیا

ہماری زندگی کی قدر تو نے اک ذرا نہ کی
مثالِ موت تو نے مجھ سے اک گھڑی وفا نہ کی

وہ الفتیں نہیں جہاں؛ جفا کا کچھ گزر نہ ہو
وہ باغ ہی نہیں جہاں؛ خزاں کی کچھ نظر نہ ہو
وہ زندگی نہیں کہ جس کو موت کی خبر نہ ہو
وہ دل ہی کچھ نہیں کہ جس میں آہ کا شرر نہ ہو

مگر نہ تجھ سے ہو سکا کہ خوش دلی سے سہہ گیا
ذرا سی بات ہو گئی تو دوستوں سے کہہ گیا

عدو کے مقصدوں میں تو ذرا خلل نہ دے سکا
ہمارے اک بھی مسئلے کا کوئی حل نہ دے سکا
چمن تو درکنار مجھ کو اک کنول نہ دے سکا
درخت تو لگا دیا مگر وہ پھل نہ دے سکا

ہماری سر زمیں ہماری شخصیت کو کھا گئی
ہمیں ہماری دل لگی کا یہ مزہ چکھا گئی

جو روشنی نہ دے سکے بھلا وہ آفتاب کیا
جو آرزو نہ کر سکے بتاؤ وہ شباب کیا
سوال ہی نہ ہو عیاں تو اس کا پھر جواب کیا
خطاء ومعصیت کے کام پر بھلا ثواب کیا

اگر نہ ہو یہ شب جدا؛ تو صبح کیسے آئے گی
نہ ڈھل سکے یہ دن اگر تو شمع کیا بہائے گی

بغیر اتفاق کے؛ یہ رونقِ جہاں نہیں
جہاں پہ باغباں نہ ہو وہاں پہ گلستاں نہیں
صبا نہ چل سکے تو پھر یہ پھول شادماں نہیں
وہ کون سی زمیں ہے جس جگہ کہ آسماں نہیں

جہاں میں ہے کشش اگر، تو صرف اتحاد سے
الگ تھلگ جو رہ گئے؛ رہے وہ نامراد سے

اگر تمہیں یہی پسند ہے تو شوق سے رہو
دماغ جو کہے تمھیں وہی کرو وہی کہو
تمہیں ہے اختیار تم جہاں چلو جدھر بہو
مسرتوں کے گل بھرو کہ ''آفتِ زماں'' سہو

ہم اہل دل کو اب کسی کی زندگی سے کیا غرض
خدائے پاک کو لعیں کی بندگی سے کیا غرض

بہت ستم سہا کیے کہاں تلک یہ دل جلے
محبتوں کے اب ہماری خوش گوار دن ڈھلے
کچل دیئے گئے تمام آہ! میرے ولولے
تمہیں نشاط میں رہو کہ اس گلی سے ہم چلے

تمھی رہو دلوں کے بادشاہ کائنات میں
تمھی رہو بلند تر جہانِ شش جہات میں

تمہارے ہاتھ سے نہ اپنا ہاتھ پھر ملائیں گے
ہم اپنی قسمتوں میں پھر یہ ظلمتیں نہ لائیں گے
تمہاری یاد میں یہ دل نہ پھر کبھی جلائیں گے
ہم اپنے گلستاں میں کوئی اور گل کھلائیں گے

تمہارے خال وخط پہ یہ نگاہ اب نہ جائے گی
تمہیں نہ دیکھ کر ہی یہ سکون چین پائے گی

یہ حسن جس پہ تم کو آج فخر وعز وناز ہے
یہ حسن جس کے بل پہ یہ زباں بہت دراز ہے
یہ حسن جو کہ آج عاشقوں کا کارساز ہے
یہ حسن جو کہ سیکڑوں کا قبلۂ نماز ہے

یہ حسن کچھ نہیں فقط ہے کھیل؛ دھوپ چھاؤں کا
یہ ''رنگِ شوخ'' ہے سراب؛ سر پھری ہواؤں کا

بہت سے وہ حسیں کہ جن کا حسن بے مثال تھا
بہت سے مہ جبیں کہ جن کا رنگ باکمال تھا

بہت سے نازنیں کہ جن کا ہر سماں جمال تھا
بہت سے ''حور عیں'' کہ جن کا اک لقب غزال تھا
ذرا سی اک ہوا میں ان پہ ''مردنی'' سی چھا گئی
انھیں تو موت آئی اور قبر میں سلا گئی

''فریب چشمِ عشق'' کے سوا جمال کچھ نہیں
بجز ''طلسمِ آب وگل''؛ یہ خط وخال کچھ نہیں
یہ آب وتاب اور کافرانہ چال کچھ نہیں
نظر ہو ''حق نگر'' تو ''پیچ دار بال'' کچھ نہیں
وہ حسن کیا جمال کیا جسے زوال چاہیئے
وہ حال کیا میاں جسے برا مآل چاہیئے

الگ ہوا ہوں جب سے میں؛ تمہارا ساتھ چھوڑ کر
تمہاری ''جاں ربا'' گلی سے الفتوں کو توڑ کر
ہوا، ہوس کی طاقتوں کو توڑ کر مروڑ کر
کٹے ہوئے جگر کو رشتۂ خدا سے جوڑ کر
ہماری صبح صبح ہے ہماری شام شام ہے
ہے لب پہ نام حق تو دل میں مصطفیٰ کا نام ہے

حسیں بنا رہا ہوں اپنے ''قلب داغ داغ'' کو
جلا رہا ہوں پھر سے میں بجھے ہوئے چراغ کو
جگہ پہ لا رہا ہوں میں، گئے ہوئے دماغ کو
نہا رہا ہوں رحمت خدا میں اپنے باغ کو
یہی ''ہے راہِ صالحاں''، یہی ہے طرز زندگی
یہی ہیں عین طاعتیں، یہی ہے عین بندگی

ابھی ہے وقت عنبر حزیں! دل بنائے جا
''خدائے ارض وآسماں'' سے اپنی لو لگائے جا
جہاں کو حق کے ''نغمہ ہائے جاں فزا'' سنائے جا
ابھی ہیں دور منزلیں؛ قدم سدا بڑھائے جا
کہ تیری ''چشمِ خوں فشاں'' ''نگاہِ برق بار'' ہو
خزاں سے آشنا یہ ''باغِ قلب'' ''لالہ زار'' ہو

ہم نے گر دیکھا نہ ہوتا ''شاہِ انظر'' کا وجود
ہم پہ کھلتا کس طرح ''ابنِ حجر'' کا بانکپن
(ماخوذ از مرثیہ حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیریؒ)

نالۂ غم

بر وفات حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ

مردِ میداں، اہل دل، اہل فغاں جاتا رہا
دہر سے ایک محور قدوسیاں جاتا رہا

زاہدِ شب دار، شمعِ دین ولعلِ شب چراغ
غم کا ہم پر ڈال کر کوہِ گراں جاتا رہا

شمعِ ایماں، قصرِ باطل میں جلائی جس نے آہ
وہ ''وحیدِ عصر''، صدیقِ زماں جاتا رہا

جذبۂ جوشِ عمل سے جو سدا سرشار تھا
وہ'' مطیع و واقفِ سرِ نہاں'' جاتا رہا

پھونک فکر اس نے ''دلِ مردہ'' میں ''روحِ جاوداں''
ہم کو دے کر'' درسِ احساس زیاں'' جاتا رہا

بہر دیں؛ کوہ و بیاباں کا سفر اس نے کیا
کرلیا کرتا تھا جو طے ہفت خواں جاتا رہا

خونِ تازہ اور آہوں سے گلستاں سینچ کر
عشق کی لے کو بڑھا کر باغباں جاتا رہا

شیر تھا؛ جس جا قدم رکھا وہیں پر چھا گیا
وہ ''ملک صورت'' حبیبِ انس وجاں جاتا رہا

رندیوں کو میکدے میں چھوڑ کر وہ تشنہ کام
یک بیک اف ساقی و پیرِ مغاں جاتا رہا

وقت کا شبلیؒ، جنیدؒ دہر، رومیؒ زماں
واعظِ بے مثل، جان عارفاں جاتا رہا

علم کے ہر کوچہ وگلشن سے جو تھا آشنا
قیس دیں وہ بلبلِ صد داستاں جاتا رہا

فکر وفن کا شاہ، اسرار وحِکم کا رازداں
علم ودانش کا وہ بحرِ بے کراں جاتا رہا

اے خضر! یہ تو بتا! فرقت سے ہوں میں نیم جاں
جن کو نظریں ڈھونڈتی ہیں وہ کہاں جاتا رہا

عزم شاہینی، عقابی روح، مردِ عہد ساز
نکتہ سنج ورونق بزم جہاں جاتا رہا

برقِ غم جوں ہی گری، عقل وخرد بھی چل بسے
تاجدار علم، میر کارواں جاتا رہا

عالم پر خار سے اب آہ گھبراتا ہے دل
''رہبر راہِ خدائے مہرباں'' جاتا رہا

مجھ میں عنبر ان کی سیرت کی کہاں تاب رقم
مختصر یہ ہے ''نبی کا ترجماں'' جاتا رہا

نذرِ شاہ

برسانحۂ ارتحال فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ

گلستاں کا ذرہ ذرہ غرقۂ آلام ہے
اک ''فغانِ دردِ ہجراں'' صبح سے تا شام ہے

زندگی کے ہر رگ و ریشے پہ ہے طاری جمود
ہر طرف آنکھوں کے آگے ''گردشِ ایام'' ہے

کل تلک تھی جس چمن میں عیش وعشرت کی بہار
اس چمن کے پتے پتے پر خزاں کا نام ہے

ہوگئی مرحوم گویا ''رونقِ بزمِ جہاں''
یاس و نومیدی کی ہر جانب صدائے عام ہے

آج اہل ہوش کے بھی ہیں گریباں چاک چاک
اے زمانہ! ان کی دانش کس لئے ناکام ہے؟

جیسے مغرب سے نکل آیا ہو کوئی آفتاب
عرصۂ محشر کا منظر ہر گھڑی ہر گام ہے

مے کدے سے اٹھ گیا ہے جب سے اک بادہ فروش
سرنگوں ہے مے گساری وقفِ ماتم ''جام'' ہے

آئینہ خانے میں آئینے ہوئے غم سے نڈھال
اب نہ یوسف ہے نہ یوسف کا کوئی پیغام ہے

جلوۂ گیتی ہے گویا زلزلوں کے درمیاں
''دیدۂ خوں نا بہ افشاں'' چرخ نیلی فام ہے

جس کے نغمے تھے پیام عید عالم کے لئے
آہ وہ بلبل بھی اک مدت سے زیرِ دام ہے

پیچھے پیچھے آئے ہے طوفاں اگر آئی نسیم
لالۂ و گُل کا ہمیشہ کیا یہی انجام ہے

درد پہلو میں ہے آنکھیں ہیں مسلسل اشک بار
رنج و غم میں آج سارا عالمِ اسلام ہے

❁ ❁ ❁

''بزمِ انور'' کا ''چراغِ ضوفشاں'' رخصت ہوا
آہ! ''ملت کا امیرِ کارواں'' رخصت ہوا

جن لبوں پر تھا تکلم ''عاشقِ پروانہ وار''
ہاں وہی شیریں زباں، جادو بیاں رخصت ہوا

تھا تدبر جس کا شیوہ اور تفکر امتیاز
''قوم ہندی'' کا وہی روحِ رواں رخصت ہوا

وہ کہ تھا جس سے گریزاں ''ضعفِ پیری'' تا حیات
جس کا ہر اک کام تھا ''رشکِ جواں'' رخصت ہوا

''ملتِ اسلامیہ'' دکھڑا کسے جاکر سنائے
درد مند و نازشِ ہندوستاں رخصت ہوا

غمزدہ امت کے سر پر ہاتھ اب رکھے گا کون
ایک مشفق! اک مسیحائے زماں رخصت ہوا

مے کدے کا فیض عام و تام تھا جس کے طفیل
آہ کیا کہئے وہی ''پیرِ مغاں'' رخصت ہوا

طالبوں کی تشنگی کافور فرمائے گا کون
علم و دانش کا وہ ''بحرِ بے کراں'' رخصت ہوا

رو رہا ہے آج دھاڑیں مار کر صحرائے قیس
بادیہ پیما ہمارا ناگہاں رخصت ہوا

دشت و در میں کوہ میں اس وقت ماتم ہے یہی
چھوڑ کر شاہین اپنا آشیاں رخصت ہوا

❁ ❁ ❁

شور ہے ہر سمت انظر شاہ دنیا سے گئے
اس خبر نے سارے عالم کا اڑا ڈالا ہے ہوش

اے جنازہ تھامنے والو ذرا روکو انہیں
پھر کہاں سے لاؤ گے اس شان کا حیرت فروش

شاہ انور کا یہی تھا آخری چشم و چراغ
آہ یہ شمعِ اکابر بھی ہوئی آخر خموش

کس کی تقریروں سے تیری جاں تجلی پائے گی
کس کی تحریروں سے ہوگا دل کے دریاؤں میں جوش

تم ہی سوچو ابنِ انور پھر کہاں ہاتھ آئے گا
کس کے پیغامات اب تم پاؤ گے مینا بدوش

چاند تارے بھی انہیں ہیں دیکھنے کو بے قرار
آرہی ہے نیز اک جانب سے آوازِ سروش

جس کی آنکھیں دیکھنا گویا کہ تھی عید سعید
آہ وہ چہرہ بھی ہونے جارہا ہے خاک پوش

مرغ بسمل کی طرح تڑپے ہے ساری کائنات
اٹھ گیا ہے درمیاں سے اک شہیدِ سخت کوش

اب اندھیرا ہی اندھیرا ہے نظر کے سامنے
ہر طرف برپا ہے شورِ نالہ و آہ و خروش

کون پھر گرمائے گا ''میدانِ علم و معرفت''
کس کے مےخانے سے مے حاصل کریں گے بادہ نوش

اک قیامت ہے جہاں کے واسطے ان کا رحیل
اب کسے یہ ہوش ہے کیا چیز یہ فردا ودوش

حادثے تو روز ہوتے ہیں زمانے میں مگر
یہ وہ صدمہ ہے کہ بھولیں گے نہیں حلقہ بگوش

❁ ❁ ❁

جانے والے! اک جھلک شیدائیوں کی دیکھ لے
بڑھ چکا ہے حد سے کتنا ان کا اب دیوانہ پن

وہ جو عاشق تھے ترے کل تک سدا رنگیں قبا
تانے بانے کھو چکے ہیں آج ان کے پیرہن

جامعہ انور ہو یا دیوبند کے دارالعلوم
ہوگئیں رخصت بہاریں، اڑ گیا رنگِ چمن

کس کو اتنا ہوش باقی ہے ترے جانے کے بعد
کائناتِ رنگ و بو میں شہر اچھے ہیں کہ بن

تیرا جانا ''عہدِ زریں'' کا ہے گویا اختتام
ہوگیا رخصت جہاں سے کاروانِ علم و فن

ہم نے گر دیکھا نہ ہوتا ''شاہِ انظر'' کا وجود
ہم پہ کھلتا کس طرح ''ابنِ حجر'' کا بانکپن

کس قدر اندوہناکی سے بھری ہے تیری موت
اب تلک گریہ کناں ہیں بحر و بر کوہ و دمن

شام کیوں کر ہوگئی اے جاں، تری صبحِ حیات
رو رہی ہے اک جیالے کو تری خاکِ وطن

اب نہ وہ ''ذوقِ تبسم'' ہے نہ ''بزمِ آرائیاں''
تیرے شیداؤں کے اندر من رہا باقی نہ تن

کس قدر نفرت رہی تہذیبِ حاضر سے تجھے
اک ذرا تجھ کو نہ بھایا اہلِ یورپ کا چلن

رشک سے دیکھے ہے ہر کوئی تری ہی خواب گاہ
اک طرف ''دُرِّ عدن'' ہے اک طرف ''لعلِ یمن''

جا! نیا گھر اور نئی منزل مبارک ہو تجھے
حق تعالیٰ تجھ کو بخشے؛ نوریوں کی انجمن

❁ ❁ ❁

جن سے امیدیں تھیں وابستہ وہ رخصت ہوگئے
ناتوانوں کی مدد کو آہ اب آئے گا کون

چل بسے اے وائے انظر شاہ بھی ملکِ عدم
امت مرحوم کا غم دور فرمائے گا کون؟

پھر سماعت کو انہیں نغمات کا ہے انتظار
زمزمے قرآن و سنت کے یہاں گائے گا کون

ہوگیا بے ذوق و بے حس قوم مسلم کا ضمیر
زندگی دے کر انہیں بجلی سی تڑپائے گا کون

یاسمین و نسترن بھی ہوگئے بے رنگ و بو
بے زبانوں کو تکلم آہ سکھلائے گا کون

شبنم الفت، وفا کا ابر، احسانوں کا نور
''تشنہ لب'' انسانیت پر آہ برسائے گا کون

کون ہوگا ''مسند آرایانِ ہندی'' کا حریف
بے تکلف ان کو اب آئینہ دکھلائے گا کون

حکمراں کی گوشمالی کو بھلا کون آئے گا
اس ''وفا ناآشنا'' کو راہ پر لائے گا کون؟

''نوعِ انساں'' کو غلامی سے چھڑانے کے لئے
''رازِ سربستہ'' بنی آدم کو بتلائے گا کون

ہے اندھیروں کو ضرورت اک چراغِ طور کی
''شمعِ ایمانی'' جلا کر نور پھیلائے گا کون

سونی سونی ہیں ہماری مجلسیں شہ کے بغیر
اے فضیل احمد ہمارے دل کو بہلائے گا کون

ادب کو ناز جس کی حکمرانی پر

مرثیہ بروفات حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ

زمیں کا سینہ شق ہے، آج یارب کس کے ماتم میں
فلک برسا رہا ہے ''اشکِ خوں'' کس ذات کے غم میں

کشش ''بدرِ منور'' کی کہاں گم ہوگئی یارب
چمک خورشید کی ناپید کیوں کر ہوگئی دم میں

چمن میں کیوں نہیں بلبل الٰہی اب ''نوا پیرا''
''تبسم ہائے پیہم'' کیوں نہیں کلیوں میں، شبنم میں

اچانک حادثہ برپا ہوا کیسا خداوندا
مسلسل رات دن آہ و فغاں ہے سارے عالم میں

سمیٹی کس لئے ''بادِ بہاری'' نے بساط اپنی
خزاں کے شور سے لرزش ہے کیوں کر ابن آدم میں

جگر چھلنی، دماغ افسردہ و حیرت بداماں ہیں
''سرشکِ پے بہ پے'' ہے آج ہر اک ''چشمِ بے نم'' میں

جدائی ہے جدائی آہ عبداللہ ندوی کی
تحمل کی کہاں طاقت کسی سہراب و رستم میں

وہ عبداللہ جس نے علم و فن کو سمتِ نو بخشی
لگائے جس نے شانے فکرِ دیں کی ''زلفِ برہم'' میں

رہینِ بوالحسنؒ ہیں رفعتیں قرطاس و خامہ کی
وہیں عباسؔ تھے استاذ کی اس سعیٔ محکم میں

قلم ایسا ادب کو ناز جس کی حکمرانی پر
صفائے دل کا یہ عالم کہاں وہ ساغرِ جم میں

صفائے ظاہر و باطن میں عمریں اس طرح گزریں
کبھی یورپ میں سرگرداں، کبھی ''خاکِ یلملم'' میں

ابد تک یاد رکھے گا زمانہ ان کی ہستی کو
نہاں وہ درد تھا ان کے ''تگا پوئے دما دم'' میں

عزیمت کے وہ پیکر، دہر میں ''مجموعۂ خوبی''
محبت کیوں نہ ہوتی ان کی پھر اغیار و ہمدم میں

کیا حق نے صلہ میں؛ جنتِ اعلیٰ مقام ان کا
ترنم ہے حرم میں، کوہِ مروہ اور زمزم میں

زمانہ رشک کرتا ہے سدا اس ذات پر عنبرؔ
جو ہو آغوش رحمت میں ''جوارِ قبرِ اعظمؒ'' میں

ہو گیا وقت کا اک غوث زمانے سے جدا

مرثیہ بروفات مرشدی محی السنہ حضرت مولانا ابرار الحق ہردوئی، خلیفہ حضرت تھانویؒ

گلستاں کس لئے ویراں نظر آتا ہے مجھے
غنچہ کیوں دیدۂ حیراں نظر آتا ہے مجھے
کل جہاں زلفِ پریشاں نظر آتا ہے مجھے
ہر کوئی سر بگریباں نظر آتا ہے مجھے
جانے کچھ اور ہی انداز میں عالم کیوں ہے
کوئی بتلائے بچھی یہ صفِ ماتم کیوں ہے

ہے وہی ارض و فلک اور وہی لیل و نہار
ہے وہی رات کی آغوش میں تاروں کی قطار
ہے وہی قافلۂ شمس و قمر کی رفتار
ہے وہی مرغِ سحر خیز کی بانگِ فن کار
پھر بھی کیا بات کہ لذت کا کہیں نام نہیں
مجھ کو اک پل بھی ذرا راحت و آرام نہیں

دن جو آتا ہے تو اشکوں کی جھڑی لگتی ہے
رات آئے تو قیامت سی کھڑی لگتی ہے
اب تو ہر آن ہی محشر کی گھڑی لگتی ہے
یہ مصیبت تو مجھے سب سے بڑی لگتی ہے
غم کے سیلاب میں خورشید و قمر ڈوب گئے
آسماں ڈوب گیا، نجمِ سحر ڈوب گئے

ہر طرف یاس کی کالی سی گھٹا چھائی ہے
آہ بادِ سحری سیلِ فغاں لائی ہے
وقفِ اندوہ ہر اک رونق و رعنائی ہے
آج افسردہ بہت لالۂ صحرائی ہے
بلبلیں ہو گئیں کیوں نالہ زنی پر مجبور
کن حوادث نے کیا آہ انہیں بھی رنجور

کون سی شے ہے جو محزون نہیں، چور نہیں
کون انساں ہے جو غش کھانے پہ مجبور نہیں
کس کے سینے میں کئی حسرتیں مستور نہیں
کون سا دل ہے جو اندوہ سے معمور نہیں

دل کو غم، غم کو جگر کھائے چلا جاتا ہے
جوئے خوں آنکھ سے چھلکائے چلا جاتا ہے

ہم تھے حیران کہ ہاتف نے لگائی یہ صدا ہو گیا وقت کا اک غوث زمانے سے جدا
وہ کہ اوڑھے تھے سدا، سنتِ پیہم کی ردا وہ کہ تھی جس کی ادا صاحبِ بطحا کی ادا

افقِ دہر کا خورشیدِ عمل ڈوب گیا
وہ جو مریخِ تصوف تھا وہ کل ڈوب گیا

آہ وہ جس سے منور تھے محبت کے چراغ جس کی بجلی سے درخشاں تھے کئی لاکھ دماغ
جس نے سینوں سے کئے دور خطیئات کے داغ جس نے رندوں پہ لنڈھائے تھے طریقت کے ایاغ

جس کے ہر سانس کو قرآن کی تفسیر کہیں
جس کا ہر فعل احادیث کی تعبیر کہیں

جس نے آفاق میں اسلام کا پرچار کیا جس نے سوئے ہوئے انفاس کو بیدار کیا
جس نے افکارِ مسلمان کو تلوار کیا جس نے اللہ کا مومن کو طلب گار کیا

جس کی ہستی تھی جہاں کے لئے پیغام حیات
شعلۂ طور تھی جس شخص کی ذات اور صفات

دعوتِ فکر و عمل کا وہ مجلیٰ ہادی جس سے ابلیس کی باقی نہ رہی آزادی
جس کی خوشبو سے معطر ہے جہاں کی وادی وہ بیک وقت غزالیؒ بھی تھے اور بغدادیؒ

درس یوں عام کیا جرأت و حق گوئی کا
نام اونچا ہوا آفاق میں ہردوئی کا

اس کا پیکر تھا سدا صدق و صفا کا داعی اپنے مولیٰ سے مروت کا، وفا کا داعی
ذکر و تسبیح و مصلّٰی و دعا کا داعی منعمِ حق کے لئے شرم و حیا کا داعی

نورِ توحید زمانے میں بہت عام کیا
اپنے اخلاق سے عالم کو تہہِ دام کیا

دینِ حق کے لئے حیران و پریشان پھرے صورتِ جام لئے مشعلِ ایمان پھرے
لے کے سنت کا علم یورپ و ایران پھرے خطۂ ہند سے تا ساحلِ افغان پھرے

تاکہ دنیا میں اخوت کی بہار آجائے
عہدِ مسعود کا پھر لیل و نہار آجائے

آہ دنیا سے وہی مرشدِ ابرار گئے کشتی ملت بیضاء کے وہ پتوار گئے
مخزنِ علم گئے حاملِ اسرار گئے قافلہ رہ گیا اور قافلہ سالار گئے

شیخ تھانہ کا صد افسوس پیارا نہ رہا
وہ طریقت کی نگاہوں کا ستارا نہ رہا

اٹھ گئی حیف کہ اب تھانہ بھون کی زینت باغِ امدادیؒ واشرف کے چمن کی زینت
بحر کی کوہ کی اور دشت و دمن کی زینت حسنِ تدبیر و عمل خلقِ حسن کی زینت

دن تڑپتے ہیں مجاہد کا وہ سردار گیا
راتیں روتی ہیں تہجد کا علم دار گیا

یاد آتا ہے بہت اس کا فسانہ ہم کو نغمۂ روح فزا روز سنانا ہم کو
معتدل راہ ہر اک آن دکھانا ہم کو زنگ شوئیدن و آئینہ بنانا ہم کو

آہ وہ شوخ و حسیں دور کوئی خواب ہوا
قصۂ دوش ہوا دفترِ نایاب ہوا

کس کے ہاں جائیں گے اب قلب بنانے کے لئے حبِّ دنیا کے ہر اک داغ چھڑانے کے لئے
غم کا ہر قصۂ پوشیدہ سنانے کے لئے شرک کا دل سے ہر اک نقش مٹانے کے لئے

کون ہے اب جسے تقویٰ کا منارہ کہئے
عہدِ میمون کا اک زندہ نظارہ کہئے

یہ جہاں کیا ہے فقط غلغلۂ موج سراب اپنے عاشق کو سدا دیتا ہے الٹا سا جواب
رخِ تاباں سے یہ جھلکے ہے کہ ہے شوخِ گلاب چاہنے والوں کو دیتا ہے مگر سخت عذاب

کس طرح اس پہ خردمند بھروسہ کرلے
کس لئے مردِ خدا خواہشِ دنیا کرلے

زندگی صرف وہی ہے کہ جگر تاب رہے فکرِ عقبیٰ میں سدا ماہئ بے آب رہے
خلوتوں میں ہو کہ یا حلقۂ احباب رہے عشقِ مولیٰ میں ہمہ وقت وہ بے تاب رہے

نامِ حق لیتے ہی آنکھوں میں خمار آجائے
گویا ہر درد کے ماروں کو قرار آجائے

زندگی آہ مری کون سے حالات میں ہے — جیسے یہ جان لیا موت محالات میں ہے
نفسِ سرکش مرا آشفتہ خیالات میں ہے — یہ نہ سوچا کہ فرشتوں کے حوالات میں ہے

جو بھی زندہ ہے اسے موت تو آنا ہے ضرور
دارِ فانی سے کسی روز تو جانا ہے ضرور

چل بسے شیخ ہمیں داغِ جدائی دے کر — کس کو دکھلائیں جگر اور بھلا جائیں کدھر
یاس کی ہم پہ ہمہ وقت چلے ہیں خنجر — رہ گیا اشک بہانے کو یہ عاجز عنبر

ان کے مرقد پہ خدا پاک کی رحمت برسے
روح پر ان کی سدا عزت و حشمت برسے

اشکہائے غم

بر رحلت رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ

داعیٔ ملت، امین و چارہ گر جاتا رہا
حامیٔ دیں، مرکزِ اہلِ نظر جاتا رہا

حق کی خاطر جو رہا، تا زندگی خارا گداز
وہ جہاں بین و فہیم و دیدہ ور جاتا رہا

باغِ ہستی جس کی ہستی سے تھا محوِ ابتہاج
جس سے بزمِ علم تھی تابندہ تر جاتا رہا

جس کے فیضِ عشق نے سکھلائے آدابِ جنوں
جس کی صحبت میں تھا اک سوز و اثر جاتا رہا

جس کی فرقت نے دیا ہر کس کو دردِ لایطاق
خانۂ ویراں کو وہ روشن گہر جاتا رہا

جس کی تقریروں سے باطل کے شرارے بجھ گئے
وہ مدبر، وہ مفکر، باخبر جاتا رہا

موجِ باطل، جہل کی آندھی کو کر کے نیم جاں
راہِ حق میں وہ لٹا کر سیم و زر جاتا رہا

جس کی تیغِ علم سے تھرا اٹھے اہلِ ضلال
دین کے صحرا کا وہ شیرِ ببر جاتا رہا

وہ مجاہد، مردِ میداں شہ سوارِ علم و فن
دین کی خاطر جو تھا سینہ سپر جاتا رہا

آہ عالم آج ہے ماتم کناں گریہ کناں
آئینہ خانوں کا وہ آئینہ گر جاتا رہا

فرقتِ محمودؒ اور منظورؒ و اطہرؒ کا الم
تھا جوانی پر کہ اتنے میں عمرؒ جاتا رہا

زاویہ ہائے جہاں، مہبط تھے جس کے بالیقیں
خادمِ دیں، حق نما المختصر جاتا رہا

جام وحدت کا پلا کر آہ وہ پیرِ مغاں
آہ! سب کو غم زدہ ہی چھوڑ کر جاتا رہا

دامِ ظلمت میں پھنسا عنبر ہمارا پائے دل
رہروِ حق کا امیر و راہبر جاتا رہا

لطائف و ظرائف

ہر اک ذرہ ہے سرگرمِ سیاست
نہایت گرم ہیں نوٹوں کے دھندے

آصف باورچی

مے خانہ ہو سلامت یارب مدام اس کا
جاری رہے ہمیشہ، مولا یہ ''دورِ صہبا''

دل کھینچتا ہے ہر دم اس کا ہر ایک منظر
گل ہو کہ گلستاں ہو یا دشت و کوہ و صحرا

ہر صبح عید جیسا یاں جشن کا سماں ہے
ہر شب ''شبِ برأت'' کی ہے فضا ہویدا

آصفؔ سا ''شیخ مطبخ'' کیوں کر نہ ہووے حاصل
مٹی ہے اس زمیں کی زرخیز و چرخ پیا

لگتا ہے مجھ کو ساحر یارب یہ ''پیر مطبخ''
رکھتا ہے آستیں میں شاید وہ دستِ بیضا

روٹی کو یوں پُھلائے جیسے ہو گیند کوئی
چمکے ہے ''خوانِ یغما'' پر آفتاب جیسا

وہ دال جس کو آصف سا آدمی پکائے
سارے جہاں میں رتبہ، اس کا نہ کیوں ہو اعلیٰ

اک بار کوئی چکھ لے آ کر یہاں کا چاول
ہانڈی کو چٹ کرے گا پھر بھی رہے گا بھوکا

معجون کی طرح کا سالن میں ذائقہ ہو
ہے شوربے میں پنہاں ''اندازِ روح افزا''

گر چائے ہم نے پی لی ''آبِ حیات'' پی لی
کرتی ہے ایک کش میں تازہ جہان پیدا

قدرت نے ڈال دی ہے کھانے میں وہ کرامت
جو کھائے اس کو ہووے آصف مثال موٹا

وہ سوز و ساز اس میں پنہاں ہیں یا الٰہی
دیتا ہے بے بصر کو اک پل میں ''چشمِ بینا''

سچی ہے گر چہ عنبرؔ کی داستاں سرائی
کہہ دیں گے پھر بھی مجھ کو دنیا کے لوگ جھوٹا

❀ ❀ ❀

زباں شیریں، دماغ و دل ہیں گندے
بچھے ہیں ہر طرف یورپ کے پھندے
تری داڑھی میں تنکا ''خیمہ زن'' ہے
ملے ہیں آج شاید خوب ''چندے''
ہر اک ذرہ ہے ''سرگرم سیاست''
نہایت گرم ہیں نوٹوں کے دھندے
مسلماں ہوگئے چھل چھل کے خاشاک
چلے ہیں جب سے ہندو تو کے رندے
زمیں تا آسماں مشکل ہے یارب
کہاں جائیں ترے آزاد بندے

تعارفی خاکہ

نام : فضیل احمد ناصری القاسمی

والد کا نام : حضرت مولانا جمیل احمد ناصری صاحب مدظلہٗ (ولادت جنوری ۱۹۴۳ء)

وطنیت : سابق وطن ناصر گنج نستہ (دربھنگہ)

حال وطن : بلہا، کمتول، مدھوبنی (بہار)

وطنِ اقامت : جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند

تاریخ پیدائش : ۱۳/مئی ۱۹۷۸ء

خاندانی تعارف : بندہ کے سولہویں دادا مخدوم شاہ محمد ناصرؒ کی طرف منسوب ہو کر اس خاندان کے افراد ناصری کہلاتے ہیں، ان بزرگ کا مزار دربھنگہ میں ہے، یہ اپنے پیر و مرشد کے ساتھ اصفہان (ایران) سے ہندستان آئے تھے، اسی خانوادہ کے ایک فرد بندہ کے پڑدادا حضرت مولانا شاہ منور علیؒ دربھنگوی خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ بھی ہیں، یہی منور علی ہیں جنھوں نے اپنے پیر و مرشد کے نام پر اپنے گاؤں نستہ پوسٹ بھروارہ (ضلع دربھنگہ) میں مدرسہ امدادیہ قائم کیا تھا، جو بعد میں ترقی پا کر دربھنگہ شہر منتقل کر دیا گیا۔

ابتدائی تعلیم : مکتب کی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مولانا جمیل احمد ناصری صاحب سے حاصل کی، حفظ قرآن کی شروعات بھی انہیں کے پاس ہوئی، تین چار پارے حفظ کر لینے کے بعد ۸۶ء میں مدرسہ حسینیہ پروہی پتونا واسراہی (ضلع مدھوبنی) میں داخلہ لیا، یہاں اپنے خاص استاذ حضرت الحاج حافظ مہر حسین صاحبؒ کے پاس مسلسل چار سال رہ کر حفظ کی تکمیل کی، جزوی طور پر حضرت حافظ اختر حسین صاحبؒ پروہی اور حضرت حافظ عبید اللہ صاحب پتونوی کے پاس بھی حفظ کرنے کی سعادت ملی، ۱۹۹۰ء میں حضرت الاستاذ

قاری شبیر احمد صاحب مدظلہٗ ناظم مدرسہ اسلامیہ شکر پور بھروارہ کی سرپرستی میں مدرسہ دینیہ شوکت منزل غازی پور میں داخل ہوا، یہاں ایک سال رہ کر حضرت قاری صاحب کے پاس حفظ پختہ کیا، یہ غازی پور میں میرا اور قاری صاحب کا آخری سال تھا، اس کے بعد ہم لوگ شکر پور بھروارہ آ گئے، یہیں حضرت قاری صاحب کے ایماء پر احقر نے درجۂ فارسی سے عربی چہارم تک مسلسل پانچ سال تک پڑھا، یہاں بندہ کے خاص استاذ حضرت مولانا صفی الرحمٰن قاسمی، حضرت مفتی ابوبکر قاسمی اور حضرت مولانا احمد سعید قاسمی مدظلہم رہے۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ اور فراغت : ۱۹۹۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں عربی ششم کی جماعت میں داخلہ لیا اور تین سال مستفید ہو کر ۱۹۹۸ء میں فراغت حاصل کی۔

تدریس : ۲۱/جولائی ۱۹۹۹ء سے تدریسی سلسلہ کا آغاز ہوا، حضرت مولانا وصی احمد قاسمی (بلہا، کمتول، مدھوبنی) کی ہمرکابی اور انہی کی رہ نمائی میں دارالعلوم عزیزیہ میرا روڈ (تھانے، مہاراشٹر) میں بحیثیت مدرس عربی تقرر ہوا، یہاں چار سال رہ کر ۲۰۰۳ء کے اوائل میں مستعفی ہو کر سر دست تدریس سے کٹ گیا، ۲۰۰۴ء میں گجرات کا رخ کیا، جہاں صوبہ کی راجدھانی احمد آباد میں جامعہ دارالقرآن سرخیز احمد آباد کے احاطے میں تدریسی ذمہ داریاں از سر نو شروع کیں اور آخری جماعت (عربی پنجم) تک کی کتابیں پڑھائیں۔ ادارہ کے مہتمم مولانا مفتی امتیاز صاحب میمن مرحوم پر بڑا اعتماد کرتے تھے، ڈھائی سالہ قیام کے بعد ۲۰۰۷ء میں دارالقرآن سے سبکدوش ہو کر احمد آباد کے ہی معروف ادارے جامعہ فیضان القرآن سرس پور میں مدرس ہوا، یہاں مشکوٰۃ تک کی کتابیں پڑھائیں۔ اب اکتوبر ۲۰۰۸ء سے جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند میں قیام ہے، بندہ کو فارسی سے لے کر دورۂ حدیث تک کی اکثر کتابیں کو پڑھانے کا موقع ملا ہے، اس وقت یہاں ترمذی شریف وغیرہ زیر تدریس ہیں۔

قلمی کاوشیں : عربی جماعت کی نصابی کتابیں میبذی کی شرح تفہیم المیبذی، حسامی کی شرح تفہیم الحسامی اور ردّ باطل میں ''پچاسی سالہ فن کار اپنے آئینے میں'' منصۂ شہود پر آ چکی ہیں، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ کی کتاب منثورات کی شرح بھی بندے نے لکھی

ہے جو منظومات کے نام سے ہے اوراشاعت کے مرحلے میں ہے۔

ادبی دلچسپیاں : رسمی طالب علمی سے فراغت کے بعد سے بندہ مسلسل اخبارات ورسائل میں لکھتا چلا آرہا ہے۔ممبئی کے روزنامہ اردو ٹائمز میں لگاتار دوسال ہفتہ واری کالم لکھتا رہا، روزنامہ انقلاب میں بھی کئی ماہ ادارتی صفحہ پر مضامین چھپے، ممبئی کے ہی روزنامہ ہندوستان (اردو) میں بھی کچھ دنوں یہ سلسلہ چلا، دو سال تک ہندوستان ایکسپریس دہلی میں ''نقار خانے میں'' نامی کالم کے تحت ہفتہ واری مضمون نویسی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اس وقت ہفت روزہ ''عالمی سہارا'' میں قلمی سفر رواں دواں ہے۔ ہندوستان کے دیگر نمایاں اخبارات میں بھی مضامین چھپتے رہتے ہیں۔

رسالوں میں بھی یہ سلسلہ الحمدللہ پیہم جاری ہے، اہم رسالوں میں مضامین شائع ہورہے ہیں، بندہ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند سے نکلنے والے ماہنامہ ''محدّثِ عصر'' کی مجلس ادارت کا باضابطہ رکن ہے۔خاکہ نویسی کا خاص مذاق ہے، اب تک دو درجن سے زیادہ مضامین لکھے جاچکے ہیں ''اوراقِ مصوّر'' کے نام سے بھی جلد لانے کا ارادہ ہے۔

شاعری : شاعری کا آغاز ٹوٹے پھوٹے انداز میں یوں تو ۱۹۹۳ء میں ہوا، لیکن اس کی باضابطہ شروعات ۱۹۹۶ء میں مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ پر لکھے گئے مرثیہ سے ہوئی۔اس فن میں بندہ کا حق یہ ہے کہ کوئی بھی استاذ نہیں، البتہ ایک دو نظم میں ڈاکٹر کلیم عاجزؔ پٹنہ سے اصلاح لی ہے، اس لئے انہیں اپنا استاذ کہتا اور مانتا ہوں۔ بندہ اب تک کم از کم دو ہزار اشعار لکھ چکا ہے، تاہم محفوظ ہزار سے کچھ زیادہ ہیں، ترانے، سہرے اور مرثیے جمع نہیں کرپایا۔غزلیں اور نظمیں دونوں خوب لکھیں لیکن نظم سے کچھ زیادہ ہی انسیت ہے جیسا کہ کتاب سے ظاہر ہے۔